انوارِ رسالت
مجددِ مسلکِ اہلِ سنّت، عاشقِ رسول، حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی علیہ الرحمۃ
ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور ۰ پاکستان

انوارِ رسالت

تصنیف لطیف

مجدد مسلک اہل سنت، عاشق رسول

فاضل جلیل حضرت علامہ مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمۃ اللہ علیہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور۔ کراچی۔ پاکستان

مجدّدِ مسلکِ اہلِ سنت خطیبِ اعظم پاکستان

نام: (مولانا حافظ) محمد شفیع اوکاڑوی

ولدیت: حاجی شیخ کرم الٰہی بن شیخ اللہ دتا بن شیخ امام الدین مرحوم ومغفور، جو پنجاب کی معزز شیخ تاجر برادری سے تعلق رکھتے تھے۔

سن ولادت: ۲ رمضان المبارک ۱۳۴۸ھ، **مقام ولادت:** کھیم کرن، مشرقی پنجاب (بھارت)

تعلیم: اسکول میں مڈل تک اور دینی تعلیم۔ درس نظامی مکمل و دورۂ حدیث وتفسیر

بیعت وارادات: شیخ المشائخ حضرت پیر میاں غلام اللہ صاحب شرق پوری رحمۃ اللہ علیہ المعروف حضرت ثانی صاحب قبلہ برادر خورد شیر ربانی اعلیٰ حضرت میاں شیر محمد صاحب شرق پوری علیہ الرحمۃ (سلسلہ عالیہ نقش بندیہ مجددیہ)

حضرت میاں شیر محمد صاحب شرق پوری علیہ الرحمۃ نے حاجی شیخ کرم الٰہی کو مولانا اوکاڑوی کی ولادت اوران کے فضل وکمال کی بشارت پہلے ہی سے دے دی تھی۔ آپ کے والدین نے بھی آپ کی ولادت سے قبل مبارک خواب دیکھے اور بیان کیے۔

حالات وخدمات: اپنے پیر ومرشد حضرت ثانی صاحب شرق پوری اور علمائے اہل سنت کے ساتھ علمی طلب کے ابتدائی زمانے میں تحریک پاکستان میں بھر پور حصہ لیا اور تقسیم ہند تک سرگرم عمل رہے۔

☆ ۱۹۴۷ء میں ہجرت کر کے اوکاڑا آ گئے اور جامعہ حنفیہ اشرف المدارس قائم کیا۔ جس کے بانیان اور سرپرستوں میں سے تھے۔

☆ دار العلوم اشرف المدارس، اوکاڑا کے شیخ الحدیث والتفسیر حضرت علامہ مولانا غلام علی صاحب اشرفی اوکاڑوی اور مدرسہ عربیہ اسلامیہ انوار العلوم، ملتان کے شیخ الحدیث والتفسیر غزالی دوراں حضرت علامہ مولانا سید احمد سعید صاحب کاظمی سے تمام متداول دینی علوم پڑھے اور درس نظامی کی تکمیل پر اسناد حاصل کیں۔

☆ جامع مسجد مہاجرین منٹگمری (ساہی وال) میں نماز جمعہ کی خطابت شروع کی۔ اس دوران برلا ہائی اسکول اوکاڑا میں دینیات کے معلم اور شعبہ دینیات کے منتظم رہے۔

☆ **تحریک تحفظ ختم نبوت:** ۱۹۵۲ـ۵۳ء میں تحریک ختم نبوت میں محض، سید عالم ختمی مرتبت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت وناموس کے لیے بھر پور حصہ لیا۔ ضلع منٹگمری (ساہی وال) اور پنجاب کی سرکردہ شخصیت تھے، حکومت نے قید کر دیا۔ دس ماہ منٹگمری جیل میں رہے۔ اسیری کے ان ایام میں حضرت مولانا کے دو فرزند، منیر احمد اور تنویر احمد جن کی عمر بالترتیب تین سال اور سوا سال تھی، انتقال کر گئے۔ یہ دونوں مولانا کے پہلے فرزند تھے۔ ان کی وفات کے سبب گھریلو حالات پریشان کن تھے۔ کچھ بااثر لوگوں نے ڈپٹی کمشنر ساہی وال سے مل کر سفارش کی۔ ڈپٹی کمشنر نے جیل کا دورہ کیا۔ گرفتار شدگان سے ملاقات کی اور مولانا اوکاڑوی کو بالخصوص الگ بلا کر کہا کہ: ''بچوں کی وفات کی وجہ سے آپ کے گھر کے حالات ٹھیک نہیں ہیں۔ میرے پاس آپ کے لیے بہت سی سفارشیں ہیں۔ آپ معافی نامے پر دستخط کر دیں۔ آپ کا معافی نامہ عوام سے پوشیدہ رکھا جائے گا اور آج ہی آپ کو رہا کر دیا جائے گا''۔ مولانا نے جواباً کہا کہ: ''میں نے عزت وناموسِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کام کیا ہے اور میرا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری نبی ہیں۔ لہٰذا معافی مانگنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بچے اللہ کو پیارے ہو گئے، میری جان بھی چلی جائے تب بھی اپنے عقیدے پر قائم رہوں گا اور معافی نہیں مانگوں گا''۔ اس جواب پر حکومت برہم ہوئی اور مزید سختی کی گئی۔ دفعہ ۳ میں نظر بند کر دیا گیا۔ اور ملاقات وغیرہ پر بھی سختی سے پابندی لگا دی گئی۔ مولانا نے آخر وقت تک صبر واستقلال سے تمام صعوبتیں برداشت کیں۔

☆ اوکاڑا میں قیام کے دوران دینی ومذہبی اور ملی سماجی امور میں ہمیشہ نمایاں طور پر حصہ لیتے رہے۔

☆ **کراچی آمد:** ۱۹۵۵ء میں کراچی کے مذہبی حلقوں کے شدید اصرار پر کراچی آئے۔ کراچی کی سب سے بڑی مرکزی میمن مسجد (بولٹن مارکیٹ) کے خطیب وامام مقرر ہوئے اور ہمہ جاں، تادم آخر شب وروز دین ومسلک کی تبلیغ میں مصروف رہے۔

☆ میمن مسجد کی امامت وخطابت کے بعد تقریباً تین برس جامع مسجد عید گاہ میدان (ایم اے جناح روڈ) اور سوا دو سال جامع مسجد آرام باغ اور بارہ برس نور مسجد نزد جوبلی سنیما میں بلا معاوضہ خطابت کے فرائض انجام دیتے رہے اور نماز جمعہ پڑھاتے رہے۔ ہر مقام پر زبردست اجتماع ہوتا۔ ان تمام مساجد میں بالترتیب تفسیر قرآن کا درس دیتے رہے اور تقریباً ۲۸ برس میں نو پاروں کی تفسیر بیان کی۔

☆ اس دوران ۱۹۶۴ء میں پی ای سی ایچ سوسائٹی میں مسجد غوثیہ ٹرسٹ سے ملحق (جس کے آپ بانی اور چیئرمین بھی تھے)۔ ایک دینی درس گاہ قائم کی جس کا نام دار العلوم حنفیہ غوثیہ ہے۔ الحمد للہ وہاں سے متعدد طلبہ علوم دینیہ حاصل کر کے چہار سمت تبلیغ دین ومسلک کر رہے ہیں۔

☆ ۱۹۷۲ء میں ڈولی کھاتہ، گلستان شفیع اوکاڑوی (سولجر بازار) کراچی میں ایک قطعہ زمین پر جو گزشتہ سو برس سے مسجد کے لیے وقف تھا، مولانا نے تعمیر مسجد کی بنیاد رکھی اور بلا معاوضہ خطابت شروع کی۔ ایک ٹرسٹ قائم کیا۔ جس کا نام گل زار حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ٹرسٹ رکھا۔ مولانا اس کے بانی و سربراہ تھے۔ اس ٹرسٹ کے زیر اہتمام جامع مسجد گل زار حبیب اور جامعہ اسلامیہ گلزار حبیب زیر تعمیر ہے۔ اسی مسجد کے پہلو میں آپ کی آخری آرام گاہ مرجع خلائق ہے۔

☆ **بے مثل خطابت:** مسلسل چالیس برس تک ہر شب مولانا محترم مذہبی تقاریر فرماتے رہے ہیں۔ مولانا کی علمی استعداد، حسن بیان، خوش الحانی اور شان خطابت نہایت منفرد اور ہر دل عزیز تھی۔ ہر تقریر میں ہزاروں، لاکھوں افراد کے اجتماعات ہوتے تھے۔ ماہ محرم کی شب عاشور میں ملک کا سب سے بڑا مذہبی اجتماع مولانا کے خطاب کی مجلس کا ہوتا تھا۔ پاکستان کا کوئی علاقہ شاید ہی ایسا ہو جہاں حضرت مولانا مرحوم نے اپنی خطابت سے قلب و جاں کو آسودہ نہ کیا ہو۔

☆ دین و مسلک کی تبلیغ کے لیے مولانا نے شرق اوسط، خلیج کی ریاستوں، بھارت، فلسطین، جنوبی افریقہ، ماریشس اور دوسرے کئی غیر ملکی دورے کیے۔ صرف جنوبی افریقا میں ۱۹۸۰ء تک مولانا کی تقاریر کے ساٹھ ہزار کے سیٹس فروخت ہو چکے تھے۔ دوسرے ممالک میں فروخت ہونے والی کے سیٹس کی تعداد بھی کم نہیں اور اب مولانا کی تقاریر کی ویڈیو کے سیٹس بھی پھیل رہی ہیں۔

☆ **تصانیف:** مولانا اوکاڑوی کی عالمانہ تحقیق، فقہی بصیرت اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مبنی متعدد تصانیف ہیں جو مذہبی حلقوں میں نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ ہر کتاب ہزاروں کی تعداد میں شائع ہو کر نہایت مقبول ہوئی۔ ان کے نام یہ ہیں: ذکر جمیل، ذکر حسین (دو حصے) راہ حق، درس توحید، شام کربلا، راہ عقیدت، امام پاک اور یزید پلید، برکات میلاد شریف، ثواب العبادات، نماز مترجم، سفینہ نوح (دو حصے) مسلمان خاتون، انوار رسالت، مسئلہ طلاقِ ثلاثہ، نغمہ حبیب، مسئلہ سیاہ خضاب، انگوٹھے چومنے کا مسئلہ، اخلاق و اعمال (نشری تقاریر) تعارف علمائے دیوبند، میلاد شفیع، جہاد و قتال، آئینہ حقیقت، نجوم الہدایت، مسئلہ بیس تراویح، مقالات اوکاڑوی اور متعدد فتووں پر مشتمل رسائل وغیرہ۔

☆ **قاتلانہ حملہ:** ۱۶/۱۱ اکتوبر ۱۹۶۲ء میں کراچی کے علاقہ کھڈا مارکیٹ میں ایک سازش کے تحت اختلاف عقائد کی بنا پر کچھ لوگوں نے محض تعصب کا شکار ہو کر دوران تقریر مولانا اوکاڑوی پر چھریوں اور چاقوؤں سے شدید قاتلانہ حملہ کیا جس سے آپ کی گردن، کندھے، سر اور پشت پر پانچ بہت گہرے زخم آئے۔ کراچی کے سول ہسپتال میں دو دن کے بعد پولیس آفیسر کو اپنا بیان دیتے ہوئے مولانا نے کہا ''مجھے کسی سے کوئی ذاتی عناد نہیں۔ نہ میں مجرم ہوں۔ اگر میرا کوئی جرم ہے تو صرف یہ کہ میں دین اسلام کی تبلیغ کرتا ہوں اور سید عالم محسن انسانیت حضور رحمت دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و ثنا کرتا ہوں۔ میں کسی سے بدلہ لینا نہیں چاہتا اور نہ میں حملہ آوروں کے خلاف کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ میرا خون ناحق بہایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور میری نجات کا ذریعہ بنائے، میں حملہ آوروں کو معاف کرتا ہوں۔ باقی آپ لوگ بقائے امن کے لیے جو مناسب ہو، وہ کریں تاکہ ایسی کارروائیاں آئندہ نہ ہوں''۔ مولانا نے اس مقدمے کے لیے کوئی وکیل نہیں کیا نہ کسی مقدمے کی پیروی کی، صرف ایک گواہ کی حیثیت سے اپنا بیان دیا۔ مولانا کا اس حملہ سے جاں بر ہونا محض ایک کرشمہ تھا۔

انگریزی روزنامہ ڈیلی نیوز کراچی کا پہلا شمارہ ۱۷/۱ اکتوبر ۱۹۶۲ء کو جاری ہوا۔ جس کی بڑی سرخی مولانا پر قاتلانہ حملہ سے متعلق تھی۔ مولانا ڈھائی مہینے ہسپتال میں زیر علاج رہے اور ہسپتال سے فارغ ہوتے ہی پھر تبلیغ دین میں مصروف ہو گئے۔ اس قاتلانہ حملہ کے خلاف ملک بھر میں شدید احتجاج ہوا۔

☆ **دینی، ملی، قومی، سیاسی اور فلاحی مثالی کارگزاری:** ۱۹۶۵ء میں پاک بھارت جنگ کے موقع پر آپ نے پورے ملک میں جوش و جذبۂ جہاد کے لیے ملت کی رہنمائی کی۔ قومی دفاعی فنڈ میں ہزاروں روپے دیے اور اپنی تقاریر کے اجتماعات میں لاکھوں روپے کا سامان جو لباس اور اشیائے خورد و نوش پر مشتمل تھا، جمع کیا اور ہزاروں روپے نقدی سمیت علمائے کرام کے ایک وفد کے ساتھ آزاد کشمیر گئے اور مقبوضہ کشمیر کے مظلوم مہاجرین کے کیمپوں وغیرہ میں بدست خود سامان تقسیم کیا۔

☆ آزاد کشمیر کے بائیس مقامات اور سیالکوٹ، چھمب جوڑیاں، لاہور، واہگہ اور کھیم کرن کے متعدد محاذوں پر جا کر مجاہدین میں جہاد کی اہمیت اور مجاہد کی عظمت و شان اور فی سبیل اللہ جہاد کے موضوع پر ولولہ انگیز تقاریر کیں۔

☆ حضرت مولانا اوکاڑوی نے ۱۹۵۶ء میں مرکزی جماعت اہلسنت پاکستان قائم کی، حضرت مولانا اس جماعت کے بانی اور امیر اوّل تھے۔

☆ ۱۹۷۰ء میں قومی اسمبلی کے امیدوار کی حیثیت سے کراچی کے سب سے بڑے حلقے سے مولانا نے انتخاب میں حصہ لیا اور قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔

☆ قیام پاکستان سے تادم آخر مولانا ایک مخلص اور محب وطن پاکستانی اور سچے پکے مسلمان ہونے کا بھرپور مظاہرہ کرتے رہے ہیں۔ ان کی شخصیت ملک بھر میں بالخصوص اور دنیا بھر میں بالعموم محبوب و محترم اور مقبول و ممتاز رہی۔

☆ حضرت مولانا محترم، تحریک نظام مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قافلہ سالار تھے۔ آج اس تحریک کو جو مرتبہ و مقام حاصل ہے، اس میں ان کی خدمات اور

مساعی جمیلہ بنیادی اہمیت وحیثیت رکھتی ہیں۔

☆صدرمملکت جنرل محمد ضیاء الحق کی قائم کردہ مجلس شوریٰ کے معزز رکن نامزد ہوئے اور قوانین اسلامی کے ترتیب وتشکیل اور تنفیذ کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ علاوہ ازیں وزارت امور مذہبی کی قائمہ کمیٹیوں کے رکن رہے۔ اپنی وفات سے چند ماہ قبل مرکزی محکمہ اوقاف پاکستان کے نگران اعلیٰ اور یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے رکن مقرر ہوئے۔

☆حضرت مولانا (حکومت پاکستان کی قائم کردہ) قومی سیرت کمیٹی کے بنیادی رکن رہے۔

☆اتحاد بین المسلمین کے لیے ملک بھر میں نمایاں خدمات انجام دیں، قومی دفاعی فنڈ، افغان مجاہدین، فلسطین کے متاثرین، سیلاب زدگان اور ہرناگہانی سانحے سے متاثر ہونے والے افراد کی امداد میں ہمیشہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے رہے۔

☆حضرت مولانا نے کراچی کے علاقے ''گولی مار'' کا نام ''گل بہار'' اور ''رام باغ'' کا نام ''آرام باغ'' تجویز کیا، جو منظور ومقبول ہوا۔

☆حضرت مولانا نے کراچی شہر کی پولیس کو گشت اور فوری کارروائی کے لیے ''سواری'' (سوزوکی پک اپ) کی فراہمی کی منظوری کروائی۔

☆سولہ مرتبہ سفر حج وزیارت اور عمرہ کی سعادت سے مشرف ہوئے۔

☆۱۹۷۴ء میں پہلی مرتبہ عارضہ قلب کی شکایت ہوئی مگر تبلیغی اور تنظیمی سرگرمیوں میں کوئی کمی نہیں کی بلکہ کچھ زیادہ جذبہ وجوش سے شب وروز چہار سمت میں صدائے حق بلند کرتے رہے۔

☆حضرت مولانا نے کراچی شہر میں اہل سنت وجماعت کی طرف سے دس روزہ مجالس محرم اور جشن عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جلوس وجلسہ کے انعقاد کا سلسلہ شروع کیا۔

☆تین ہزار سے زائد افراد مولانا مرحوم کے دست حق پرست پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ اور لاکھوں افراد کے عقائد واعمال کی اصلاح ہوئی۔

☆حضرت مولانا مرحوم کو طریقت کے تمام سلاسل میں عرب وعجم کے متعدد مشائخ سے اجازت وخلافت حاصل تھی۔ آپ کے مریدین ہزاروں کی تعداد میں دنیا بھر میں موجود ہیں۔

☆حضرت مولانا قبلہ نے ۱۹۷۶ء میں جنوبی افریقا میں انجمن اہل سنت وجماعت قائم کی۔

☆پاکستان میں سنی تبلیغی مشن، انجمن محبان صحابہ واہل بیت، تنظیم ائمہ وخطبا مساجد اہلسنت اور متعدد ادارے قائم کیے۔

☆تقریباً چالیس برس میں حضرت خطیب پاکستان نے اٹھارہ ہزار سے زائد بڑے اجتماعات سے سیکڑوں موضوعات پر مفصل خطاب کیا جو اب تک ایک عالمی ریکارڈ ہے۔

☆۱۹۷۵ء میں دوران سفر، دوسری مرتبہ دل کا دورہ پڑا، اسی حالت میں کراچی آئے اور تقریباً چھ ہفتے ہسپتال میں زیر علاج رہے۔

☆۱۹۸۳ء میں آخری بیرون ملک سفر، بھارت کے لیے کیا۔ اپنے دورے میں ممبئی، اجمیر، دہلی اور بریلی شریف گئے۔

☆مارچ ۱۹۸۴ء میں شرق پور شریف گئے اور اپنے پیرومرشد کی درگاہ پر حاضری دی جو وہاں ان کی آخری حاضری ثابت ہوئی۔

☆سفر آخرت: ۲۰ اپریل ۱۹۸۴ء کو آخری خطاب مسجد گلزار حبیب میں نماز جمعہ کے اجتماع سے کیا۔ اسی شب تیسری بار دل کا شدید دورہ پڑا اور قومی ادارہ برائے امراض قلب میں داخل ہوئے۔ تین دن بعد سہ شنبہ، ۲۱ رجب المرجب ۱۴۰۴ء بمطابق ۲۴، اپریل ۱۹۸۴ء کی صبح ۵۵ برس کی عمر میں اذان فجر کے بعد باآواز بلند درود وسلام پڑھتے ہوئے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۔

☆۲۵ اپریل کو نشتر پارک، کراچی میں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی کی امامت میں ظہر کی نماز کے بعد لاکھوں افراد نے حضرت خطیب اعظم پاکستان کی نماز جنازہ ادا کی۔ اور پیارے کملی والے تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس عاشق صادق کو کمال محبت واحترام سے رخصت کیا۔

اسی سہ پہر حضرت مولانا مرحوم مسجد گلزار حبیب کے احاطے میں مدفون ہوئے۔ ان کا مزار مبارک مرجع خلائق ہے۔

''رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ دایماً ابداً''

رفت و منزل عالم بالا گرفت　　یاالٰہی فیض او پاینده دار

رفت وروئے خویش را از مانهفت　　تربتش را اے خدا تابنده دار

گفت تاریخ و صالش بو البیان

هادی راهِ خدا، شب زنده دار

۱۴۰۴ ہجری　　از: فقیہ دوراں شیخ الاسلام حضرت مولانا غلام علی اشرفی اوکاڑوی

نَحۡمَدُهٗ وَ نُصَلِّیۡ وَ نُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِهِ الۡکَرِیۡمِ وَعَلٰۤی اٰلِهٖ وَ اَصۡحَابِهٖ اَجۡمَعِیۡنَ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حدیث: ۱ ۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّمَا الۡاَعۡمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَاِنَّمَا لِامۡرِءٍ مَّا نَوٰی (بخاری: ۱، مسلم: 4927، مشکوٰۃ: 1)

کہ اعمال نیتوں کے ساتھ ہیں ہر شخص کے لیے وہی ہے جو اس نے نیت کی۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ نیت دل کے پکے ارادہ کو کہتے ہیں۔ زبان سے کہہ لینا بھی مستحب ہے تاکہ ''اِقۡرَارٌ بِاللِّسَانِ وَ تَصۡدِیۡقٌ بِالۡقَلۡبِ'' کے مطابق قلب ولسان میں موافقت ہو جائے۔ بلاشبہ نیت خیر اور اخلاص، عبادات کی روح ہیں کہ بغیر ان کے عبادات ایسی ہیں جیسے کاغذ کے پھول یا بے جان جسم۔

حدیث: ۲ ۔ انہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

بُنِیَ الۡاِسۡلَامُ عَلٰی خَمۡسٍ شَهَادَةِ اَنۡ لَّاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَ رَسُوۡلُهٗ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِیۡتَآءِ الزَّکٰوةِ وَالۡحَجِّ وَ صَوۡمِ رَمَضَانَ (بخاری: 8، مسلم: 21، مشکوٰۃ: 4)

اسلام پانچ ستونوں پر قائم ہے۔ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں اور نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ اسلام کی عظیم الشان عمارت کے پانچ ستون ہیں۔ اگر کوئی ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے گا یا اس کو قائم نہ رکھے گا، اس کا اسلام منہدم ہو جائے گا کیوں کہ ستون کے گرنے سے عمارت گر جاتی ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

مَنۡ تَرَکَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدۡ هَدَمَ الدِّیۡنَ (احیاء علوم الدین: 147/1)

جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس نے دین کی عمارت کو گرا دیا۔

اذان کے ساتھ درود وسلام

حدیث: ۳۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اِذَا سَمِعْتُمُ الْمُؤَذِّنَ فَقُوْلُوْا مِثْلَ مَا يَقُوْلُ ثُمَّ صَلُّوا عَلَيَّ فَاِنَّهٗ مَنْ صَلّٰى عَلَيَّ صَلٰوةً صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ بِهَا عَشْرًا ثُمَّ سَلُوا اللّٰهَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ فَاِنَّهَا مَنْزِلَةٌ فِي الْجَنَّةِ لَا تَنْبَغِيْ اِلَّا لِعَبْدٍ مِّنْ عِبَادِ اللّٰهِ وَاَرْجُوْ اَنْ اَكُوْنَ اَنَا هُوَ فَمَنْ سَاَلَ لِيَ الْوَسِيْلَةَ حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ

(مسلم شریف: 384)

کہ جب تم مؤذن کو سنو تو تم بھی اسی طرح کہو جس طرح وہ کہے۔ پھر مجھ پر درود بھیجو۔ جو مجھ پر ایک مرتبہ درود بھیجتا ہے اللہ اس پر دس رحمتیں بھیجتا ہے۔ پھر اللہ سے میرے لیے وسیلہ مانگو کہ وہ جنت میں ایک منزل ہے جو اللہ کے بندوں میں سے ایک ہی بندے کے لائق ہے اور مجھے امید ہے کہ وہ میں ہی ہوں تو جو میرے لیے وسیلہ مانگے اس کے لیے میری شفاعت حلال ہوگئی۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مؤذن سے اذان کے کلمات سن کر سامعین کو بھی وہی کلمات کہنے چاہئیں۔ حَيَّ عَلَى الصَّلٰوةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے جواب میں بھی یہی کہے اور دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ان کے جواب میں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ کہے اور بہتر یہ ہے کہ دونوں ہی کہے تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ اذان کے بعد، اذان کی دعا سے پہلے درود شریف پڑھنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم اور سنت ہے کیوں کہ پہلے درود شریف پڑھنے کا حکم دیا اور بعد میں دعا کا حکم دیا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے وسیلہ طلب کیا جاتا ہے۔

حدیث: ۴۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كُلُّ كَلَامٍ لَا يُذْكَرُ اللّٰهُ فِيْهِ فَيُبْدَاُ بِهٖ وَ بِالصَّلٰوةِ عَلَيَّ فَهُوَ اَقْطَعُ مَمْحُوْقٌ مِنْ كُلِّ

ہر وہ کلامِ خیر جس کے شروع میں اللہ تعالیٰ کا ذکر اور مجھ پر درود نہ ہو، وہ ناقص اور ہر

بَرَکَۃٍ (جلاء الافہام صفحہ 365، کنزالعمال:6463) برکت سے خالی ہے۔

بلا شبہ اذان بھی کلامِ خیر ہے تو اس سے پہلے درود شریف پڑھنا خود حضور ﷺ کے ارشاد سے ثابت ہوا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ باعثِ خیر و برکت ہے۔(☆)

علامہ ابن قیم نے اپنی مشہور کتاب ''جلاء الافہام'' میں باب باندھا ہے کہ کن کن مواقع پر خاص طور پر درود و سلام بھیجنا چاہیے۔ چناں چہ فرماتے ہیں۔ اَلْمَوْطِنُ السَّادِسُ مِنْ مَّوَاطِنَ الصَّلٰوۃُ عَلَی النَّبِیِّ ﷺ بَعْدَ اِجَابَۃِ الْمُؤَذِّنِ وَعِنْدَ الْاِقَامَۃِ (صفحہ 308)
یعنی حضور ﷺ پر درود شریف بھیجنے کے مواقع پر چھٹا موقع ہے مؤذن کی اذان سننے کے بعد اور اقامت (تکبیر جماعت) سے پہلے۔

علامہ امام حافظ سخاوی نے اپنی مشہور کتاب ''القول البدیع'' میں بھی باب باندھا ہے ''اَلْبَابُ الْخَامِسُ فِی الصَّلٰوۃِ عَلَی النَّبِیِّ فِی اَوْقَاتٍ مَخْصُوْصَۃٍ'' (پانچواں باب حضور ﷺ پر اوقات مخصوصہ میں درود شریف بھیجنے میں) اس میں فرماتے ہیں: وَبَعْدَ اِجَابَۃِ الْمُؤَذِّنِ: مؤذن کی اذان سننے کے بعد۔ وَفِی الصَّلٰوۃِ وَعَقِبِھَا وَعِنْدَ اِقَامَتِھَا: اور نماز کے اندر اور نماز کے بعد اور اس کے قائم ہونے کے وقت۔ اور یہی علامہ امام حافظ سخاوی فرماتے ہیں: پانچ وقتہ نمازوں کی اذان کے ساتھ، فجر، جمعہ اور مغرب کی اذان سے پہلے اور ظہر و عصر اور عشاء کی اذان کے بعد حضور ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے میں اختلاف ہے کہ:

ھَلْ ھُوَ مُسْتَحَبٌّ اَوْ مَکْرُوْہٌ اَوْ بِدْعَۃٌ اَوْ مَشْرُوْعٌ وَ اِسْتِدْلَالٌ لِلْاَوَّلِ بِقَوْلِہٖ تَعَالٰی وَافْعَلُوا الْخَیْرَ وَ مَعْلُوْمٌ اَنَّ الصَّلٰوۃَ وَالسَّلَامَ مِنْ اَجَلِ الْقُرَبِ لَا سِیَّمَا وَقَدْ تَوَارَدَتِ الْاَخْبَارُ عَلَی الْحَثِّ عَلٰی ذٰلِکَ مَعَ مَا جَآءَ فِی فَضْلِ الدُّعَاءِ عَقِبَ الْاَذَانِ وَ فِی الثُّلُثِ الْاَخِیْرِ مِنَ اللَّیْلِ وَ قُرْبِ الْفَجْرِ وَالصَّوَابُ اَنَّہٗ بِدْعَۃٌ حَسَنَۃٌ یُوْجَرُ فَاعِلُہٗ بِحُسْنِ نِیَّتِہٖ
(القول البدیع فی الصلوٰۃ ولی الحبیب الشفیع (ﷺ)، صفحہ 193)

☆ علامہ امام حافظ شمس الدین سخاوی (902ھ) اپنی کتاب ''القول البدیع'' کے پانچویں باب میں لکھتے ہیں: ''وافتتاح کل کلام'' اور ہر کلام خیر کے شروع میں۔ یہی الفاظ ''فضائل درود شریف'' کتاب میں جناب محمد زکریا کاندھلوی نے بھی لکھے ہیں۔ (کوکب غفرلہ)

(کیا یہ مستحب ہے یا مکروہ ہے یا بدعت ہے یا مشروع ہے؟ مستحب کہنے والوں کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ بھلائی کرو اور یہ تو (سب کو) معلوم ہے کہ بے شک (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا (بھلائی اور) بلا شبہ قرب الٰہی کا بہت بڑا ذریعہ ہے اور بے شک درود و سلام کی ترغیب میں بہت سی حدیثیں وارد ہوئی ہیں جو دعا کی فصل میں آئی ہیں اور اذان کے بعد اور رات کے آخری حصہ میں اور قرب فجر میں اور حق یہی ہے کہ یہ بدعت حسنہ ہے اور اس کے کرنے والا اپنی نیت کے حسن واچھا ہونے کی وجہ سے اجر وثواب پائے گا۔(☆)

افسوس آج کل بعض لوگ اذان کے بعد اور پہلے صلوٰۃ وسلام پڑھنے سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بدعت ہے حالانکہ حدیث مذکور میں اس کا حکم ہے اور اکثر بلاد عرب میں اذان کے بعد اور پہلے صلوٰۃ وسلام یعنی ''الصلوٰۃ والسلام علیك یا رسول اللہ'' پڑھا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس بندہ نے خود عراق، شام، لبنان اور اردن وغیرہ میں سنا اور اپنی کتاب ''راہ عقیدت'' میں لکھا۔ اسی طرح مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں بھی حکومت نجدیہ کے آنے سے پہلے پڑھا جاتا تھا۔

قطب ربانی حضرت امام عبد الوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ الربانی فرماتے ہیں:

كَانَ فِیْ اَیَّامِ الرَّوَافِضِ بِمِصْرَ شَرَعُوْا التَّسْلِیْمَ عَلَى الْخَلِیْفَةِ وَ وُزَرَائِهٖ بَعْدَ الْاَذَانِ اِلٰى اَنْ تُوُفِّیَ الْحَاكِمُ بِاَمْرِ اللهِ وَوَلَّوْا اُخْتَهٗ فَسَلَّمُوْا عَلَیْهَا وَ عَلٰى وُزَرَائِهَا مِنَ النِّسَاءِ فَلَمَّا تَوَلَّى الْمَلِكُ الْعَادِلُ صَلَاحُ الدِّیْنِ بْنُ اَیُّوْبَ فَاَبْطَلَ هٰذِهِ الْبِدَعَ وَاَمَرَ الْمُؤَذِّنِیْنَ بِالصَّلَاةِ وَالتَّسْلِیْمِ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَبَدَّلَ تِلْكَ الْبِدْعَةَ وَاَمَرَبِهَا اَهْلَ

کہ روافض کے ایام حکومت میں مصر میں اذان کے بعد خلیفہ وقت اور اس کے وزراء پر سلام پڑھنا قانوناً لازم کر دیا گیا۔ حاکم بامر اللہ کی وفات کے بعد جب اس کی بہن تخت حکومت پر بیٹھی تو اس پر اور اس کی وزراء عورتوں پر بھی سلام پڑھا جاتا تھا۔ پس جب سلطان عادل صلاح الدین ایوبی تخت حکومت پر بیٹھے تو انہوں نے اس بدعت کو مٹایا اور اس کے بدلے میں تمام

☆ مزید تفصیل کے لیے اس خادم اہل سنت کا رسالہ ''اذان اور درود شریف'' ملاحظہ فرمائیں۔ کوکب نورانی اوکاڑوی غفرلہ

الْاَمْصَارِ وَالْقُرٰی فَجَزَاءَہُ اللهُ خَیْرًا

(کشف الغمہ صفحہ 98)

شہروں اور دیہات کے موذنوں کو حکم دیا کہ اذان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلوٰۃ وسلام پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کی جزائے خیر دے۔

وضو

حدیث: ۵۔ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَاوُضُوْءَ لِمَنْ لَمْ یَذْکُرِ اسْمَ اللهِ عَلَیْهِ

(ترمذی:25، ابن ماجہ:397، ابو داؤد:101، مشکوٰۃ:402)

اس کا وضو (کامل) نہیں جس نے اس پر اللہ کا نام نہ لیا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ وضو سے پہلے بِسْمِ اللهِ شریف پڑھنی چاہیے۔ عام علمائے کرام کے نزدیک یہ سنت مستحبہ ہے اور یہ نفی نفئ ذات نہیں بلکہ نفئ کمال ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اس کا وضو کامل نہیں ہوتا جو وضو سے پہلے بِسْمِ اللهِ نہ پڑھے۔ لہٰذا بِسْمِ اللهِ شریف پڑھنی چاہیے تاکہ وضو کامل ہو جائے۔ چناں چہ

حدیث: ۶۔ حضرت ابو ہریرہ، ابن مسعود اور ابن عمر رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ تَوَضَّاءَ وَ ذَکَرَ اسْمَ اللهِ فَاِنَّهٗ یُطَهِّرُ جَسَدَهٗ کُلَّهٗ وَمَنْ تَوَضَّأَ وَلَمْ یَذْکُرِ اسْمَ اللهِ لَمْ یُطَهِّرْ اِلَّا مَوْضِعَ الْوُضُوْءِ

(مشکوٰۃ:428)

کہ جو وضو کرے اور اللہ کا نام لے تو وہ وضو اس کے سارے جسم کو پاک کر دیتا ہے اور جو وضو کرے اور اللہ کا نام نہ لے تو وہ وضو صرف اعضائے وضو کو پاک کرتا ہے۔

حدیث: ۷۔ حضرت ابو حیہ (عمرو بن نصر تابعی) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رَأَیْتُ عَلِیًّا رَضِیَ اللهُ عَنْهُ تَوَضَّأَ فَغَسَلَ کَفَّیْهِ حَتّٰی اَنْقَاهُمَا ثُمَّ مَضْمَضَ ثَلٰثًا وَ

میں نے (حضرت علی رضی اللہ عنہ) کو دیکھا۔ آپ نے وضو کیا تو (پہلے) اپنے دونوں

اسْتَنْشَقَ ثَلٰثًا وَ غَسَلَ وَجْهَهٗ ثَلٰثًا وَ ذِرَاعَيْهِ ثَلٰثًا وَ مَسَحَ بِرَأْسِهٖ مَرَّةً ثُمَّ غَسَلَ قَدَمَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ثُمَّ قَامَ فَاَخَذَ فَضْلَ طُهُوْرِهٖ فَشَرِبَهٗ وَهُوَ قَائِمٌ ثُمَّ قَالَ اَحْبَبْتُ اَنْ اُرِيَكُمْ كَيْفَ كَانَ طُهُوْرُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (ترمذی: 48، نسائی: 96، مشکوٰۃ: 410، ابوداؤد: 116)

ہاتھ دھوئے یہاں تک کہ ان کو خوب صاف کیا۔ پھر تین بار کلی کی اور تین بار ناک میں پانی ڈالا اور تین بار اپنا موتھ دھویا اور تین بار اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھوئے اور ایک بار اپنے سر کا مسح کیا پھر اپنے پاؤں ٹخنوں تک دھوئے پھر کھڑے ہوئے اور وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے کھڑے پیا۔ پھر فرمایا میں نے چاہا کہ میں تمہیں دکھاؤں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وضو کیسا تھا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ وضو کے بعد دو رکعتیں پڑھے کہ ان میں اپنے دل سے کچھ باتیں نہ کرے یعنی حضورِ قلبی سے پڑھے تو اس کے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(مسلم: 538، مشکوٰۃ: 287)

ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ وضو کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ اعضائے وضو تین تین بار اچھی طرح دھوئے جائیں اور سر کا مسح ایک بار کیا جائے اور وضو کے بعد وضو کا بچا ہوا پانی پیئے جب کہ روزہ نہ ہو اور دو رکعت تَحِيَّةُ الْوُضُوْءِ پڑھے جبکہ وقت مکروہ نہ ہو، جیسے طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک اور عصر کے بعد غروب آفتاب تک اور جب تک نصف النہار ہو۔ بعض روایات میں ایک ایک اور دو دو بار اعضاء کا دھونا بھی آیا ہے۔☆

طریقہ وضو

پہلے طہارت کی نیت کرے پھر **بِسْمِ اللّٰهِ** پڑھے۔ کلی کرتے وقت مسواک کرے۔

☆ یہ بیان جواز کے لیے ہے کہ اگر کوئی عذر ہو یا پانی کم ہو تو ایک ایک یا دو دو بار دھونے سے بھی وضو ہو جاتا ہے لیکن اگر پانی کافی ہو تو تین بار دھونا سنت اور افضل ہے۔

مونھ دھوتے وقت داڑھی کا خلال کرے۔ سر کا مسح کرتے وقت کانوں اور گردن کا مسح کرے۔ دوران وضو دنیا کی باتیں نہ کرے اور سارے اعضاء اچھی طرح پورے پورے دھوئے کہ بال برابر جگہ بھی خشک نہ رہے اور وضو کے بعد کلمۂ شہادت پڑھے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَھِّرِیْنَ (کنز العمال: 26076، ترمذی: 55)

اور بہتر یہ ہے کہ دونوں پڑھ لیا کرے ان شاء اللہ ان کی برکت سے ظاہری طہارت کے ساتھ ساتھ باطنی طہارت بھی نصیب ہوگی۔

حدیث: ۸۔ امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ يَّتَوَضَّأُ فَيَبْلُغُ اَوْ فَيُسْبِغُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ يَقُوْلُ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِيَةِ يَدْخُلُ مِنْ اَيِّهَا شَاءَ (مسلم: 553، مشکوٰۃ: 289)

تم میں سے جو بھی وضو کرے اور اس کی اچھائی میں مبالغہ کرے، پھر کہے: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جائیں گے جس سے چاہے داخل ہو۔

فضیلت نماز

حدیث: ۹۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَرَأَيْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهْرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا هَلْ يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ؟ قَالُوْا لَا يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ؟ قَالَ فَذٰلِكَ مِثْلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا

بھلا بتاؤ تو اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر نہر ہو اور وہ روزانہ پانچ مرتبہ اس میں نہائے تو کیا (اس کے جسم پر) کچھ میل رہے گا؟ صحابہ نے عرض کیا کچھ بھی میل نہیں رہے گا؟ فرمایا: یہی

(بخاری:528، مسلم:1522، مشکوٰۃ:565)

مثال پانچ نمازوں کی ہے کہ اللہ ان کی وجہ سے خطائیں مٹا دیتا ہے یعنی جس طرح روزانہ پانچ مرتبہ نہانے والے کے بدن پر میل نہیں رہتا اسی طرح پانچ وقت نماز پڑھنے والے کا کوئی گناہ نہیں رہتا۔

حدیث: ۱۰۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا:

اَیُّ الْاَعْمَالِ اَحَبُّ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی قَالَ اَلصَّلٰوۃُ لِوَقْتِھَا قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ بِرُّالْوَالِدَیْنِ قُلْتُ ثُمَّ اَیٌّ؟ قَالَ اَلْجِھَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔

(بخاری:527، مسلم:252، مشکوٰۃ:568)

اللہ کے نزدیک اعمال میں سے کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ فرمایا وقت پر نماز (ادا کرنا) میں نے عرض کی پھر کون سا؟ فرمایا والدین کے ساتھ نیکی کرنا۔ میں نے عرض کی پھر کون سا؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔

حدیث: ۱۱۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

اَوَّلُ مَا یُحْسَبُ بِہِ الْعَبْدُ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ الصَّلٰوۃُ فَاِنْ صَلَحَتْ صَلَحَ سَائِرُ عَمَلِہٖ وَاِنْ فَسَدَتْ فَسَدَ سَائِرُ عَمَلِہٖ

(طبرانی اوسط:1859)

سب سے پہلے قیامت کے دن بندہ سے نماز کا حساب لیا جائے گا اگر یہ درست ہوئی تو باقی اعمال بھی ٹھیک رہیں گے اور اگر یہ بگڑی تو سبھی بگڑیں گے۔

حدیث: ۱۲۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے خلیل وحبیب حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھے سات نصیحتیں فرمائیں جن میں سے چار یہ ہیں:

فَقَالَ لَا تُشْرِکُوْا بِاللّٰہِ شَیْئًا وَاِنْ قُطِعْتُمْ اَوْ حُرِّقْتُمْ اَوْ صُلِبْتُمْ وَلَا تَتْرُکُوا الصَّلٰوۃَ

فرمایا: کسی چیز کو بھی اللہ کا شریک نہ بناؤ اگرچہ تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے

مُتَعَمِّدِیْنَ فَمَنْ تَرَکَہَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْمِلَّةِ وَلَا تَرْکَبُوا الْمَعْصِیَةَ فَاِنَّہَا سَخَطُ اللّٰہِ وَلَا تَشْرَبُوا الْخَمْرَ فَاِنَّہَا رَأْسُ الْخَطَایَا کُلِّہَا

(طبرانی:479،156، کذا فی الترغیب و درمنثور، مشکوٰۃ:61، کنز العمال:44050)

جائیں یا تمہیں جلا دیا جائے یا تمہیں سولی پر چڑھا دیا جائے اور جان بوجھ کر نماز نہ چھوڑو جو جان بوجھ کر نماز چھوڑ دیتا ہے بے شک وہ دین سے خارج ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو کیوں کہ اس سے اللہ تعالیٰ ناراض ہو جاتا ہے اور شراب نہ پیو کیوں کہ وہ ساری خطاؤں کی جڑ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنے گھر میں طہارت (وضو وغسل) کر کے فرض ادا کرنے کے لیے مسجد کو جاتا ہے تو:

کَانَتْ خَطْوَتَاہُ اِحْدَاھُمَا تَحُطُّ خَطِیْئَةً وَالْاُخْرٰی تَرْفَعُ دَرَجَةً

(مسلم شریف:1521)

اس کے ایک قدم پر ایک گناہ مٹ جاتا ہے اور دوسرے قدم پر ایک درجہ بلند ہوتا ہے۔

حدیث: ۱۳۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

صَلٰوۃُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلٰوۃَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ دَرَجَةً

جماعت سے نماز پڑھنا تنہا نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ افضل ہے۔

(بخاری:645، مسلم:1477، مشکوٰۃ:1052)

بے ادب کی اقتداء

حدیث: ۱۴۔حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اِنَّ رَجُلًا اَمَّ قَوْمًا فَبَصَقَ فِی الْقِبْلَةِ وَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یَنْظُرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم لِقَوْمِہٖ حِیْنَ فَرَغَ لَا یُصَلِّیْ لَکُمْ فَاَرَادَ بَعْدَ ذٰلِکَ اَنْ یُّصَلِّیَ لَھُمْ

کہ ایک شخص ایک قوم کا امام تھا تو اس نے قبلہ کی طرف تھوکا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دیکھ رہے تھے تو آپ نے فارغ ہو کر اس قوم سے کہا کہ یہ شخص آئندہ تمہیں نماز نہ

فَمَنَعُوْهُ فَاَخْبَرُوْهُ بِقَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ نَعَمْ وَ حَسِبْتُ اَنَّهٗ قَالَ اِنَّكَ قَدْ اٰذَيْتَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

(ابوداؤد: 481، مشکوٰۃ: 747)

پڑھائے پس اس کے بعد جب اس نے لوگوں کو نماز پڑھانا چاہی تو لوگوں نے اس کو روک دیا اور حضور ﷺ کے ارشاد کی اس کو خبر دی (کہ آئندہ اس کو امام نہ بنانا) تو اس نے حضور ﷺ سے یہ ذکر کیا (کہ آپ نے لوگوں کو میرے پیچھے نماز پڑھنے سے روکا ہے؟) آپ نے فرمایا ہاں! راوی فرماتے ہیں کہ مجھے گمان ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تو نے (قبلہ کی سمت تھوک کر) بے شک اللہ اور اس کے رسول کو اذیت دی۔

اس حدیث میں چند باتیں نہایت ہی قابل غور ہیں۔

۱۔ یہ کہ وہ امام صحابیٔ رسول تھے۔

۲۔ اور ظاہر ہے کہ انہوں نے قصداً و عمداً بیت اللہ شریف کی بے ادبی یا حضور ﷺ کی نافرمانی کا ارتکاب نہیں کیا تھا۔ یہ فعل ان سے سہواً ہوا یا ان کو معلوم نہیں تھا کہ بیت اللہ شریف کی طرف تھوکنا ممنوع ہے۔

۳۔ تو جب صحابیٔ رسول سے (کہ کوئی غوث، قطب، ابدال بھی ان کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا)، سہواً کعبۃ اللہ کی بے ادبی ہوئی وہ بھی معمولی اور اس وجہ سے وہ امامت کے لائق نہ رہے تو جو کعبے کے کعبہ حضور پرنور ﷺ کی بے ادبی اور توہین کریں وہ امامت کے لائق کیسے ہو سکتے ہیں خواہ وہ کتنے ہی عالم و فاضل وغیرہ بنے ہوئے ہوں۔

۴۔ ثابت ہوا کہ فاسق، گستاخ اور بے ادب کو امام بنانا اور اس کے پیچھے نماز پڑھنا درست نہیں

۵۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ صَلُّوْا خَلْفَ كُلِّ بَرٍّ وَّ فَاجِرٍ (کہ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز پڑھ لو) کا مطلب یہ ہے کہ جب اس کو زبردستی امام بنا دیا گیا ہو یا وہ بن گیا ہو اور لوگ اس کو ہٹانے پر قادر نہ ہوں۔

۶۔نیز یہاں فسق و فجور سے مراد عملی فسق و فجور ہے اعتقادی نہیں لہٰذا مطلب یہ ہے کہ فاسق فی العقیدہ نہیں بلکہ جو عملی طور پر فاسق و فاجر ہو اس کے پیچھے نماز پڑھ لو۔(اور بعد میں اس کا اعادہ کرلو)

۷۔بیت اللہ، انبیاء اللہ اور اولیاء اللہ کی بے ادبی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت کا باعث ہے۔

۸۔ظاہر ہے کہ اس صحابی نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے امامت سے روکے جانے کی وجہ جان کر اپنے فعل سے ضرور توبہ کرلی ہوگی اور دوبارہ امام بنا دیئے گئے ہوں گے۔(واللہ اعلم)☆

نماز کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا

حدیث: ۱۵۔حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے درمیان تشریف فرما تھے۔

اِذْ دَخَلَ رَجُلٌ فَصَلّٰى فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عَجِلْتَ اَيُّهَا الْمُصَلِّيْ اِذَا صَلَّيْتَ فَقَعَدْتَّ فَاحْمَدِ اللهَ بِمَا هُوَ اَهْلُهٗ وَصَلِّ عَلَيَّ ثُمَّ ادْعُهُ قَالَ ثُمَّ صَلّٰى رَجُلٌ اٰخَرُ بَعْدَ ذٰلِكَ فَحَمِدَ اللهَ وَصَلّٰى عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَيُّهَا الْمُصَلِّيْ اُدْعُ تُجَبْ (ترمذی:3476،

کہ ایک آدمی آیا اور اس نے نماز پڑھی اور کہا اے اللہ مجھ کو بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے نمازی تو نے جلدی کی۔جب تو نماز پڑھ لے پھر بیٹھے تو اللہ کی حمد و ثنا کر جو اس کی شان کے لائق ہو اور مجھ پر درود بھیج، پھر اللہ سے دعا کر۔راوی فرماتے ہیں اسکے بعد ایک دوسرے شخص نے نماز پڑھی تو

☆مزید تفصیل کے لیے اس خادم اہل سنت کا رسالہ ''مسئلہ امامت'' ملاحظہ فرمائیں۔کوکب نورانی اوکاڑوی غفرلہ

ابوداؤد:1285،نسائی:1208،مشکوٰۃ:930)

اس نے اللہ کی حمد کی اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود پڑھا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس سے فرمایا اے نمازی (اب) دعا مانگ قبول ہوگی۔

حدیث:۱۶۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كُنْتُ أُصَلِّي وَالنَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وَ أَبُوبَكْرٍ وَ عُمَرُ مَعَهُ فَلَمَّا جَلَسْتُ بَدَأْتُ بِالثَّنَاءِ عَلَى اللّٰهِ تَعَالٰى ثُمَّ الصَّلٰوةِ عَلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ثُمَّ دَعَوْتُ لِنَفْسِي فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سَلْ تُعْطَهُ سَلْ تُعْطَهُ

(ترمذی:593،مشکوٰۃ:931)

میں نماز پڑھ رہا تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما آپ کے ساتھ تھے۔پس جب میں بیٹھا تو میں نے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود پڑھا پھر میں نے اپنے لیے دعا کی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا مانگ لے تجھے دیا جائے گا، مانگ لے تجھے دیا جائے گا۔

حدیث:۱۷۔حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اِذَا سَلَّمَ مِنْ صَلٰوتِهٖ يَقُوْلُ بِصَوتِهِ الْاَعْلٰى لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَعَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، الخ

(مسلم شریف:1343،مشکوٰۃ:963)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب اپنی نماز سے سلام پھیرتے تو بلند آواز سے کہتے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَعَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، الخ

حدیث:۱۸۔حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

اَنَّ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم كَانَ يَقُوْلُ فِيْ دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ مَكْتُوْبَةٍ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا

بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہر فرض نماز کے بعد فرماتے تھے۔لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا

شَرِیْكَ لَهٗ الخ | شَرِیْكَ لَهٗ، الخ

(بخاری:844 و مسلم:1338، مشکوٰۃ:962)

حدیث:۱۹۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

اِنَّ رَفْعَ الصَّوْتِ بِالذِّكْرِ حِيْنَ يَنْصَرِفُ النَّاسُ مِنَ الْمَكْتُوْبَةِ كَانَ عَلٰى عَهْدِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (مسلم شریف:1318)

بلا شبہ فرض نماز سے فارغ ہو کر بلند آواز سے ذکر الٰہی کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں مروج تھا۔

حدیث:۲۰۔ انہی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ:

مَا كُنَّا نَعْرِفُ انْقِضَاءَ صَلٰوةِ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اِلَّا بِالتَّكْبِيْرِ (مسلم شریف:1317)

ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نماز (با جماعت) کا ختم ہونا (صحابہ کرام کی بلند آواز سے) اللہ اکبر کہنے ہی سے معلوم کرتے تھے۔

ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ نماز کے بعد دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا اور ذکر کرنا اور حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود شریف پڑھنا جائز اور ضروری ہے اور دعا کی قبولیت کا ذریعہ ہے آج کل بعض لوگ اس مبارک عمل سے طرح طرح کے حیلے بہانے بنا کر روکتے ہیں اور لوگوں کو بے شمار رحمتوں اور برکتوں کے حصول سے محروم رکھتے ہیں۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ ایسے لوگوں کے دھوکے میں نہ آئیں بلکہ ان حدیثوں پر عمل کرتے ہوئے نماز کے بعد دعا سے پہلے ذکر الٰہی اور درود شریف ضرور پڑھا کریں۔

ہاتھ کہاں تک اٹھائے؟

حدیث:۲۱۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اِذَا كَبَّرَ لِافْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يَكُوْنَ اِبْهَامَاهُ قَرِيْبًا مِنْ شَحْمَةِ اُذُنَيْهِ (طحاوی شریف)

جب نماز شروع کرنے کے لیے تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے یہاں تک کہ آپ کے انگوٹھے کانوں کی لو کے قریب پہنچ جاتے۔

حدیث: ۲۲۔ حضرت مالک بن حریث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا کَبَّرَ رَفَعَ یَدَیْہِ حَتّٰی یُحَاذِیَ بِہِمَا اُذُنَیْہِ (مسلم شریف: 865)

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تکبیر تحریمہ کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کانوں کے برابر تک اٹھاتے۔

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ نماز شروع کرتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے کانوں کے برابر تک اٹھانا سنت ہے۔ (ف) ہاتھوں کو اس طرح اٹھائے کہ ہتھیلیاں قبلہ رو ہوں۔

ہاتھ کہاں باندھے؟

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا جائے اس بارے میں بہت سی احادیث وآثار صحابہ کرام اور تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین سے وارد ہوئے جو حد شہرت یا تواتر معنوی تک پہنچتے ہیں۔ رہا یہ امر کہ ہاتھ باندھے کہاں جائیں؟ اس میں معمولی سا اختلاف ہے۔ بعض فرماتے ہیں سینہ کے اوپر۔ بعض فرماتے ہیں ناف کے اوپر اور بعض فرماتے ہیں ناف کے نیچے؛ چناں چہ ترمذی شریف میں ہے:

عِنْدَ اَھْلِ الْعِلْمِ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَالتَّابِعِیْنَ وَ مِنْ بَعْدِھِمْ یَرَوْنَ اَنْ یَّضَعَ الرَّجُلُ یَمِیْنَہٗ عَلٰی شِمَالِہٖ فِی الصَّلٰوۃِ وَرَاٰی بَعْضُھُمْ اَنْ یَّضَعَھُمَا فَوْقَ السُّرَّۃِ وَرَاٰی بَعْضُھُمْ اَنْ یَّضَعَھُمَا تَحْتَ السُّرَّۃِ وَکُلُّ ذٰلِکَ وَاسِعٌ عِنْدَھُمْ (ترمذی: 252)

اہل علم اصحاب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور تابعین اور جو ان کے بعد ہیں کے نزدیک یہ ہے کہ آدمی اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھے نماز میں اور ان میں بعض کو دیکھا کہ ہاتھ ناف کے اوپر رکھتے ہیں اور بعض کو دیکھا کہ ناف کے نیچے رکھتے ہیں اور یہ سب ان کے نزدیک جائز ہے۔

اس سے ثابت ہوا کہ اہل علم صحابہ وتابعین کے عمل میں صرف اتنا فرق تھا کہ بعض ناف کے اوپر اور بعض ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے تھے۔ یہ جو آج کل کچھ لوگوں میں رواج ہے کہ ٹانگیں چوڑی کر کے پہلوانوں کی طرح اکڑ کر سینے اور گردن کے درمیان ہاتھ باندھ کر

ایک عجیب سی شکل بنا کر کھڑے ہوتے ہیں، نا معلوم یہ کس کی سنت ہے؟ اہل علم صحابہ و تابعین کا عمل تو اوپر بیان ہوا ہے۔

اور یہ اہل حدیث کہلانے والے پہلوان اپنے اس عمل کی تائید میں جو دلیل پیش کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سورۂ کوثر میں فرماتا ہے: فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۝ (اپنے رب کے لیے نماز پڑھ اور نحر کر) اور کہتے ہیں کہ وَانْحَرْ سے مراد ہے، رکھنا دونوں ہاتھوں کا نزدیک نحر یعنی ذبح کرنے کی جگہ کے اور یہ بالکل ضعیف بلکہ غلط ہے۔ اس حکم الٰہی کا اصل اور صحیح مطلب یہ ہے کہ اے حبیب ''اپنے رب کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجئے'' جیسا کہ قرآن کریم کے دوسرے مقام پر اس کی تائید اور وضاحت ہے۔ وہاں بھی نماز کے ساتھ قربانی کا ذکر ہے۔ فرمایا: قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَ نُسُكِيْ وَ مَحْيَايَ وَ مَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ لَا شَرِيْكَ لَهٗ (میرے حبیب! آپ) کہو بے شک میری نماز اور میری قربانی اور میری حیات و ممات اللہ رب العٰلمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں) چنانچہ علامہ حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں چند اقوال پیش کرنے کے بعد فرمایا:

وَكُلُّ هٰذِهِ الْاَقْوَالُ غَرِيْبَةٌ جِدًّا وَالصَّحِيْحُ الْقَوْلُ الْاَوَّلُ اَنَّ الْمُرَادَ بِالنَّحْرِ ذِبْحُ الْمَنَاسِكِ (اور یہ سب اقوال سخت غیر مانوس، بعید از فہم ہیں اور صحیح وہی پہلا قول ہے کہ نحر سے مراد قربانیوں کو ذبح کرنا ہے)

بلاشبہ یہی درست ہے اس لیے کہ مشرکین عرب اپنے خود ساختہ معبود یعنی بتوں کے لیے نماز پڑھتے اور قربانی کرتے تھے۔ لہٰذا مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تم یہ کام خالص اللہ واحد کے لیے کرو۔ اسی طرح سینے پر ہاتھ باندھنے کی دوسری روایتیں بھی ضعیف ہیں تفصیلی بحث کے لیے ''ستہ ضروریہ'' مصنفہ مولوی محمد حسن صاحب فیض پوری یا ''کتاب الدرۃ فی عقد الایدی تحت السرۃ'' مصنفہ حضرت علامہ وصی احمد صاحب محدث سورتی ملاحظہ فرمائیے۔

کس قدر افسوس ہے کہ غیر مقلدین اپنے غلط مذہب کو صحیح ثابت کرنے کے لیے غلط ضعیف اور منسوخ روایتوں کو پیش کر کے عوام کو حنفی مذہب سے جو صحیح معنوں میں کتاب و

سنت کا ترجمان مذہب ہے، بدظن کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں اور لوگوں سے اپنی تقلید کرواتے ہیں اور امام اعظم امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کو شرک و بدعت کہتے ہیں۔

ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی چند احادیث

حدیث: ۲۳۔ عالم ربانی امام محمد بن الحسن الشیبانی، حضرت امام اعظم ابوحنیفہ سے وہ حضرت حماد سے وہ حضرت ابراہیم نخعی (رضی اللہ عنہم) سے روایت فرماتے ہیں کہ:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ كَانَ يَعْتَمِدُ بِاِحْدٰى يَدَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى فِى الصَّلٰوةِ يَتَوَاضَعُ لِلّٰهِ تَعَالٰى قَالَ مُحَمَّدٌ وَ يَضَعُ بَطْنَ كَفِّهِ الْاَيْمَنِ عَلٰى رُسْغِ الْاَيْسَرِ تَحْتَ السُّرَّةِ فَيَكُوْنُ الرُّسْغُ فِىْ وَسْطِ الْكَفِّ (کتاب الآثار صفحہ: 120)

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کو پکڑتے تھے۔ نماز میں اللہ تعالیٰ کے لیے عاجزی وانکساری کرتے ہوئے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اور رکھے نمازی اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو بائیں ہاتھ کے پہونچے پر ناف کے نیچے۔ پس ہو گا بایاں پہونچا بیچ دائیں ہتھیلی کے۔

حدیث: ۲۴۔ حضرت امام محمد فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ

كَانَ يَضَعُ يَدَهُ الْيُمْنٰى عَلٰى يَدِهِ الْيُسْرٰى تَحْتَ السُّرَّةِ قَالَ مُحَمَّدٌ وَ بِهٖ نَاْخُذُ هُوَ قَوْلُ اَبِىْ حَنِيْفَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ (کتاب الآثار: 121)

ہمیشہ اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے ناف کے نیچے۔ امام محمد نے فرمایا: اسی پر ہمارا عمل ہے اور یہی قول ہے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا۔

اہل انصاف غور فرمائیں کہ حضرت امام ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ باندھنے کی حدیث روایت ہے جو اس حدیث کے اوپر مذکور ہے اور اس حدیث میں تصریح ہے کہ امام ابراہیم خود ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے تھے۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے خلاف کرتے ہوں؟ ہرگز نہیں! تو ماننا پڑے گا کہ ان کے نزدیک یہی صحیح ثابت ہوا تھا جس پر خود ان کا عمل تھا۔ (ف) یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے۔ مگر ائمہ اہل حدیث کا یہ فیصلہ

ہے کہ ابراہیم نخعی اور سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ کی مراسیل متصل صحاح ہوتی ہیں۔

علامہ ابوالمحاسن محدث شارح ترمذی اپنی کتاب ''فوز الکرام'' میں اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں هٰذَا سَنَدٌ جَيِّدٌ یعنی سند اس حدیث کی جید (درست اور صحیح) ہے اور اس میں شک بھی کیا ہے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ قطعی تابعی ہیں اور امام بخاری اور امام مسلم تو ان کے شاگردوں کے شاگرد ہیں۔ وہ اس حدیث کے راوی ہیں اور وہ روایت کرتے ہیں حضرت حماد سے اور وہ حضرت ابرہیم سے تو اس سند کے جید ہونے اور اس کی صحت میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔

حدیث: ۲۵۔ امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے جو امام بخاری اور امام مسلم کے استاد ہیں اپنی ''مصنف'' میں صحیح سند کے ساتھ حضرت وائل بن حجر سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ:

رَاَیْتُ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَضَعَ یَمِیْنَہٗ عَلٰی شِمَالِہٖ فِی الصَّلٰوۃِ تَحْتَ السُّرَّۃِ

میں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے نماز میں اپنا داہنا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھا۔ (مصنف ابن ابی شیبہ:3939)

اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد علامہ محدث محمد ابوالطیب مدنی نے شرح ترمذی میں لکھا ہے: ثُمَّ اطَّلَعْنَا عَلٰی حَدِیْثٍ صَحِیْحٍ بِحَمْدِ اللّٰہِ وَھُوَ سَنَدُ الْمَذْھَبِ وَمُؤَیِّدٌ لِحَدِیْثِ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ (یعنی پھر ہم نے اطلاع پائی حدیث صحیح پر شکر ہے اللہ تعالیٰ کا اور یہ حدیث سند ہے مذہب کی اور حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مؤید ہے)

انہی امام ابوبکر بن ابی شیبہ نے اپنی ''مصنف'' میں حجاج بن حسان سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں: سَمِعْتُ اَبَا مِجْلَزٍ اَوْ سَأَلْتُہٗ قُلْتُ کَیْفَ یَصْنَعُ قَالَ یَضَعُ بَاطِنَ کَفِّ یَمِیْنِہٖ عَلٰی ظَاھِرِ کَفِّ شِمَالِہٖ وَیَجْعَلُھَا اَسْفَلَ مِنَ السُّرَّۃِ (مصنف ابن ابی شیبہ:3942) کہ میں نے (حضرت) ابومجلز سے سنا یا میں نے ان سے پوچھا کہ نمازی کس طرح ہاتھ باندھے؟ انہوں نے فرمایا، اپنے دائیں ہاتھ کی ہتھیلی کو اپنے بائیں ہاتھ کی پشت پر رکھ کر دونوں ہاتھوں کو ناف کے نیچے رکھے۔

فوز الکرام میں اس حدیث کونقل کر کے فرمایا: وَهٰذَا سَنَدٌ جَيِّدٌ اور یہ سند جید ہے۔

حدیث: ۲۶۔ حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا:

اِنَّ مِنَ السُّنَّةِ وَضْعُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ

بے شک نماز میں ہتھیلی کے اوپر ہتھیلی رکھ کر ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔

(ابو داؤد شریف: 756، بیہقی شریف: 2341، مسند احمد: 875، دار قطنی: 1102)

حدیث: ۲۷۔ حضرت نعمان بن سعد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت فرماتے ہیں:

اِنَّهُ كَانَ يَقُوْلُ اِنَّ مِنْ سُنَّةِ الصَّلٰوةِ وَضْعُ الْيَمِيْنِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ (دار قطنی: 1103)

کہ بے شک وہ (حضرت علی) فرماتے تھے کہ بے شک نماز کی سنت یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ کر ناف کے نیچے رکھے۔

اور شیخ الاسلام علامہ عینی شرح بخاری میں فرماتے ہیں:

رَوَى ابْنُ حَزْمٍ مِنْ حَدِيْثِ اَنَسٍ مِنْ اَخْلَاقِ النُّبُوَّةِ وَضْعُ الْيَمِيْنِ عَلَى الشِّمَالِ تَحْتَ السُّرَّةِ۔ وَ هٰذَا يَعْضُدُ حَدِيْثَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ (عمدۃ القاری: 279/5)

یعنی ابن حزم نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی ہے کہ نبوت کے اخلاق میں سے ہے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنا ناف کے نیچے۔

حدیث: ۲۸۔ حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَخْذُ الْكَفِّ عَلَى الْكَفِّ فِي الصَّلٰوةِ تَحْتَ السُّرَّةِ (ابوداؤد: 758)

ہتھیلی کو ہتھیلی پر رکھ کر نماز میں ناف کے نیچے رکھے۔ (☆)

ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ نماز میں ہاتھ ناف کے نیچے باندھنے سنت ہیں اگر

☆ کراچی کے وہابیوں نے جو ابوداؤد شریف باترجمہ شائع کی ہے اس میں سے ان دونوں حدیثوں کو انہوں نے نکال دیا ہے۔ حالانکہ مصر کی مطبوعہ کتاب میں موجود ہیں۔

کوئی یہ کہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت موقوف ہے یعنی ان کا قول ہے اس سے سنت نبوی ثابت نہیں ہوتی تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ حدیث کا ادنیٰ طالب علم بھی اس اصول کو جانتا ہے کہ جب کوئی صحابی بلا اضافت مطلقاً یوں کہے السنۃ کذا یا ان من السنۃ تو اس سے مراد سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ہوتی ہے اور وہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتی ہے۔ چنانچہ اس حدیث کے تحت علامہ امام بدر الدین عینی شارح صحیح بخاری اور امام ابوجعفر طحاوی اور محدث محمد ہاشم سندھی وغیرہم ناقدین حدیث فرماتے ہیں: اِنَّ قَوْلَ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اِنَّ مِنَ السُّنَّۃِ ھٰذَا اللَّفْظُ یَدْخُلُ فِی الْمَرْفُوْعِ عِنْدَ ھُمْ وَقَالَ عَبْدُ الْبَرِّ اِنَّ الصَّحَابِیَ اِذَا اَطْلَقَ اِسْمَ السُّنَّۃِ فَالْمُرَادُ بِہٖ سُنَّۃُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (یعنی بے شک حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ان من السنۃ یہ لفظ محدثین کے نزدیک مرفوع میں داخل ہے علامہ عبد البر نے فرمایا کہ تحقیق جب صحابی اسم سنت کو مطلقاً بولے اس سے مراد سنت نبوی ہوتی ہے)

امام ملا علی قاری کشف المغطی فی شرح الموطا میں فرماتے ہیں: اَلصَّحَابِیُ اِذَا قَالَ السُّنَّۃُ یُحْمَلُ عَلٰی سُنَّۃِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہ جب صحابی یہ کہے سنت ہے تو اس سے مراد سنت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتی ہے۔ امام نووی شرح صحیح مسلم میں فرماتے ہیں۔ اِذَا قَالَ الصَّحَابِیُ اُمِرْنَا بِکَذَا اَوْ نُھِیْنَا مِنْ کَذَا اَوْ مِنَ السُّنَّۃِ کَذَا فَکُلُّہٗ مَرْفُوْعٌ عَلَی الْمَذْھَبِ الصَّحِیْحِ الَّذِیْ قَالَہُ الْجَمَاھِیْرُ مِنْ اَصْحَابِ الْفُنُوْنِ (یعنی جب صحابی کہے امرنا بکذا یا نھینا عن کذا یا من السنۃ کذا پس یہ سب صحیح مذہب میں حدیث مرفوع کے حکم میں ہیں۔ فن حدیث کے تمام اصحاب اس کے قائل ہیں) اسی طرح دوسرے صحابہ کے ارشادات، اگرچہ حدیث موقوف ہے مگر حکماً مرفوع ہے۔ کما لا یخفی علی اھل العلم

حدیث: ۲۹۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَ اَبَابَکْرٍ وَ عُمَرَ وَ عُثْمَانَ کَانُوْا یَفْتَتِحُوْنَ الْقِرَاءَۃَ بِالْحَمْدِ

بے شک نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان (رضی اللہ عنہم)

لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ قَالَ اَبُو مُحَمَّدٍ بِهٰذَا الْقَوْلِ وَلَا اَرَى الْجَهْرَ بِبِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ (دارمی جلد 1، صفحہ 225، ابوداؤد: 782، موطا امام مالک: 265، مسلم شریف 890، 892، ترمذی: 246)

ہمیشہ قرأت کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ○ سے شروع فرماتے تھے۔ ابو محمد کا بھی یہی قول ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو زور سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھتے نہیں دیکھا۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خلفائے راشدین ہمیشہ نماز میں قرأت جہری کی ابتدا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے فرماتے تھے اور بسم اللہ شریف کو بلند آواز سے نہیں بلکہ سرّی طور پر پڑھتے تھے۔

فاتحہ خلف الامام

فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ سمجھنے سے پہلے قارئین حضرات اس بات کو ضرور پیش نظر رکھیں کہ پانچ وقتہ نماز معراج کی رات فرض ہوئی ہے اور معراج نبوت کے بارہویں سال میں ہوئی ہے اور ابتدائے اسلام سے جو نماز پڑھی جاتی تھی اس میں امام و مقتدی سب سورۂ فاتحہ وسورت دونوں کو پڑھتے تھے۔ پھر جب یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝۲۰۴ (الاعراف)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور چپ رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائے

تو اس سے مقتدی کی قراءت بالکل منسوخ ہوگئی۔ اس پر بہت سی احادیث صحیحہ و مرفوعہ وموقوفہ شاہد ہیں جن میں سے چند ہدیہ قارئین ہیں:

امام نسائی نے باب باندھا ہے: تأویل قوله عزّو جلّ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (الاعراف: 204) اور اس کے تحت یہ حدیث نقل فرمائی:

حدیث: ۳۱۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِیُؤْتَمَّ بِهٖ

حضرت ابو ہریرہ (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ امام بنایا ہی

فَاِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا (نسائی شریف: 922)

اس لیے جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے تو جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو تم چپ رہو۔

حدیث: ۳۲۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا یَعْنِیْ فِی الصَّلٰوةِ الْمَفْرُوْضَةِ

جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور چپ رہو یعنی فرض نماز میں۔

(در منثور، جلد 3، صفحہ 155، ابن کثیر)

حدیث: ۳۳۔ حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا ہر قرآن سننے والے پر سننا اور چپ رہنا واجب ہے؟

قَالَ: لَا! قَالَ اِنَّمَا نَزَلَتْ هٰذِهِ الْاٰیَةُ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا فِیْ قِرَاءَةِ الْاِمَامِ فَاسْتَمِعْ لَهٗ وَ اَنْصِتْ

(در منثور جلد 3، صفحہ 156)

فرمایا نہیں! کیوں کہ یہ آیت وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا قراءت امام کے بارے میں ہی نازل ہوئی ہے کہ جب امام پڑھے تو اس کو غور سے سنو اور چپ رہو۔

حدیث: ۳۴۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

صَلَّی النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَقَرَأَ خَلْفَهٗ قَوْمٌ فَنَزَلَتْ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا (در منثور جلد 3، صفحہ 155)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی تو کچھ لوگوں نے آپ کے پیچھے قراءت کی تو یہ آیت نازل ہوئی کہ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور چپ رہو۔

حدیث: ۳۵۔ حضرت محمد بن کعب القرظی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا قَرَأَ فِی الصَّلَاةِ اَجَابَهٗ مِنْ وَّرَاءِهٖ اِذَا قَالَ بِسْمِ

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب نماز میں قراءت پڑھی تو جو لوگ آپ کے پیچھے

اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ قَالُوْا مِثْلَ مَا یَقُوْلُ حَتّٰی تَنْقَضِیَ فَاتِحَۃُ الْکِتَابِ وَالسُّوْرَۃُ فَلَبِثَ مَا شَاءَ اللهُ اَنْ یَلْبَثَ ثُمَّ نَزَلَتْ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا

(درمنثور جلد 3، صفحہ 155)

تھے انہوں نے بھی آپ کی مثل پڑھنا شروع کیا۔ جب آپ نے بسم اللہ الخ پڑھی تو انہوں نے بھی پڑھی اسی طرح سورۃ فاتحہ اور سورت کو بھی آپ کی طرح پڑھا۔ پس جب تک اللہ تعالیٰ نے چاہا آپ (اس پر) ٹھہرے یعنی عمل پیرا رہے پھر یہ آیت نازل ہوئی اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے غور سے سنو اور خاموش رہو۔

حدیث: ۳۶۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

اِنَّهٗ صَلّٰی بِاَصْحَابِهٖ فَسَمِعَ نَاسًا یَقْرَؤُنَ خَلْفَهٗ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَالَ اَمَا اٰنَ لَکُمْ اَنْ تَفْهَمُوْا اَمَا اٰنَ لَکُمْ اَنْ تَعْقِلُوْا وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا کَمَا اَمَرَکُمُ اللهُ (درمنثور جلد 3، صفحہ 156)

کہ انہوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھی تو انہوں نے چند آدمیوں کو اپنے پیچھے پڑھتے سنا پھر ان کی طرف منہ کر کے فرمایا کیا ابھی تمہارے سمجھنے کا وقت نہیں آیا۔ کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ تم عقل سے کام لو؟ جب قرآن پڑھا جائے تو اس کو غور سے سنو اور خاموش رہو جیسا کہ اللہ نے تمہیں حکم دیا ہے۔

حدیث: ۳۷۔ دوسری روایت میں ہے کہ انہوں نے قرآت خلف الامام کے بارے میں فرمایا:

اَنْصِتْ لِلْقُرْاٰنِ کَمَا اُمِرْتَ فَاِنَّ فِی الصَّلَاۃِ شُغْلًا وَ سَیَکْفِیْكَ ذَاكَ الْاِمَامُ

(درمنثور جلد 3، صفحہ 156)

قرآن کے لیے خاموش رہ جیسا کہ تجھے حکم دیا گیا ہے اور نماز میں شغل ہے یعنی قراءت ہے اور اس کے واسطے تجھے امام

(کا پڑھنا) کافی ہے۔

حدیث: ۳۸۔ حضرت ابو العالیہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَنَّ النَّبِیَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کَانَ اِذَا صَلّٰی بِاَصْحَابِہٖ فَقَرَأَ وَقَرَأَ اَصْحَابُہٗ خَلْفَہٗ فَنَزَلَتْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃُ وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا فَسَکَتَ الْقَوْمُ وَ قَرَأَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(در منثور جلد 3، صفحہ 156)

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب اپنے اصحاب کو نماز پڑھائی تو آپ نے قراءت فرمائی۔ آپ کے پیچھے آپ کے اصحاب نے بھی قراءت کی تو یہ آیت **وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا** نازل ہوئی۔ پھر لوگ خاموش رہتے تھے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قراءت فرماتے تھے۔

حدیث: ۳۹۔ اسی طرح زرقانی شرح موطا میں قاضی ابن عبدالبر فرماتے ہیں:

اَجْمَعُوْا عَلٰی اَنَّہٗ لَمْ یُرِدْبِہٖ کُلُّ مَوْضِعٍ یُسْتَمَعُ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ وَاِنَّمَا اَرَادَ الصَّلٰوۃَ وَ یَشْھَدُ لَہٗ قَوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْاِمَامِ وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا صَحَّحَہٗ اِبْنُ حَنْبَلٍ فَاَیْنَ الْمَذْھَبُ عَنِ السُّنَّۃِ وَ ظَاھِرِ الْقُرْاٰنِ

(زرقانی شرح مؤطا جلد 1، صفحہ 161)

سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اس آیت سے ہر جگہ سننا اور چپ رہنا مراد نہیں بلکہ نماز میں سننا اور چپ رہنا مراد ہے اور اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد گواہ ہے کہ جب امام پڑھے تو تم چپ ہو جاؤ۔ امام احمد بن حنبل نے اس حدیث کو صحیح کیا ہے پس حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت اور قرآن کے ظاہر حکم کے سوا بھی کوئی اور مذہب ہے جس کو اختیار کیا جائے۔

اسی طرح امام بغوی صاحب تفسیر معالم التنزیل نے بھی فیصلہ فرما دیا ہے۔ اس آیت کی تفسیر کے شروع میں فرماتے ہیں: ذَھَبَ جَمَاعَۃٌ اِلٰی اَنَّھَا فِی الْقِرَاءَۃِ فِی الصَّلٰوۃِ کہ مفسرین کی ایک پوری جماعت نے اسی کو لیا ہے کہ یہ آیت قراءت نماز کے بارے میں ہے۔ اس

کے بعد مخالفین کے اقوال نقل کر کے آخر میں یہ فیصلہ کر دیا۔ وَالْاَوَّلُ اَوْلٰی وَھُوَ اَنَّھَا فِی الْقِرَاءَۃِ فِی الصَّلٰوۃِ کہ وہی پہلی بات ہی بہتر اور درست ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ آیت قراءت نماز کے بارے میں ہے۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ یہ آیت قرأت نماز کے بارے میں ہے تو اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قراءت نماز کے وقت دو چیزوں کا حکم دیا ہے ایک غور سے سننا اور دوسرا چپ رہنا اور دونوں پر عمل ضروری ہے تو غور سے سننا خاص ہے جہری نماز کے ساتھ اور چپ رہنا عموماً قراءت کے وقت واجب ہو گا۔ یعنی جہری نماز میں سننا اور چپ رہنا دونوں پر عمل ہو گا اور سرّی نماز میں چونکہ سننا نہیں ہو سکتا لہٰذا دوسرے حکم کہ ''چپ رہو'' پر عمل ہو گا۔ بہرصورت مقتدی کو امام کے پیچھے ہر نماز میں چپ رہنا چاہیے کیونکہ ارشاد خداوندی ہے کہ جب (نماز میں) قرآن پڑھا جائے تو تم لوگ سنو اور چپ رہو اور چونکہ امام سرّی اور جہری دونوں میں قراءت قرآن کرتا ہے تو لامحالہ مقتدیوں کو دونوں حالتوں میں چپ رہنا پڑے گا۔

حدیث: ۴۰۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا:

مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ (ابن ماجہ: 850، دارقطنی: 1233، طحاوی جلد 1، صفحہ 128، کنز العمال: 19683 درمنثور جلد 3، صفحہ 156)

جس شخص کا امام ہو تو امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے اور علامہ امام عینی نے شرح بخاری میں فرمایا ہے کہ اس حدیث کو صحابہ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے ان میں حضرت علی ابن عبداللہ و ابن عمرو ابوسعید خدری و ابوہریرہ و ابن عباس و انس بن مالک رضی اللہ عنہم ہیں اور انہی صحابہ کرام نے امام کے پیچھے قراءت کرنے سے منع فرمایا ہے ان میں سے حضرت علی و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم ہیں اور عبداللہ بن زید بن اسلم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں:

كَانَ عَشَرَةٌ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ يَنْهَوْنَ عَنِ الْقِرَاءَةِ خَلْفَ الْاِمَامِ اَشَدَّ النَّهْيِ اَبُوْبَكْرٍ الصِّدِّيْقُ وَ عُمَرُ الْفَارُوْقُ وَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ وَ عَلِيُّ بْنُ اَبِيْ طَالِبٍ وَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَ سَعْدُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ وَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ وَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ وَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ وَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

کہ رسول اللہ ﷺ کے دس اصحاب قراءۃ خلف الامام سے نہایت شدت سے منع فرماتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق و عمر فاروق و عثمان بن عفان و علی بن ابی طالب و عبدالرحمٰن بن عوف و سعد بن ابی وقاص و عبداللہ بن مسعود و زید بن ثابت و عبداللہ بن عمر و عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم

پس اتفاق کرنا ایسے جلیل القدر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا بمنزلہ اجماع کے ہو گیا۔ اسی کثرت کے اعتبار سے صاحب ہدایہ نے فرمایا کہ اس پر اجماع ہے کہ مقتدی امام کے پیچھے قراءت میں سے کچھ نہ پڑھے۔ (عمدۃ القاری، جلد 6، صفحہ 13)

حدیث: ۴۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا وَاِذَا قَالَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقُوْلُوْا آمِيْنَ (ابن ماجہ شریف: 846)

سوائے اس کے اور کچھ نہیں کہ امام بنایا ہی اس لیے جاتا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے تو جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت شروع کرے تو تم خاموش ہو جاؤ اور جب وہ "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ" کہے تو تم آمین کہو۔

حدیث: ۴۳۔ انہی سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اِنَّمَا جُعِلَ الْاِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهٖ فَاِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَاِذَا قَرَاَ فَاَنْصِتُوْا (نسائی شریف: 922)

کہ امام بنایا ہی اس لیے جاتا ہے کہ اس کی اقتدا کی جائے تو جب امام تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو تم

خاموش ہو جاؤ۔

ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ جب امام کے پیچھے نماز پڑھی جائے اور امام تکبیر کہے تو مقتدی بھی کہے اور جب امام قراءت یعنی سورۂ فاتحہ شروع کرے تو مقتدی خاموش ہو جائے۔ اور جب امام سورۂ فاتحہ ختم کرے تو مقتدی صرف آمین کہے۔ واضح طور پر ثابت ہوا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے۔

غیر مقلد: یہ حدیث ابوداؤد میں بھی آئی ہے اور امام ابوداؤد نے اس حدیث کو نقل کر کے یہ لکھا ہے واذا قرأ فانصتوا یہ فقرہ ابوخالد کا وہم ہے اور ابوخالد مولائے جعدہ بن ہبیرہ مخدومی مجہول ہے طبقہ ثالثہ سے دیکھو تقریب۔

جواب: غیر مقلدین کو ایسی جرأت اور فریب دہی اور دروغ بے فروغ سے شرمانا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے کہ محض حنفیوں کی مخالفت کی بنا پر ایک دوسرے ابوخالد کو حدیث کا راوی ظاہر کر کے حدیث کو ضعیف اور مخدوش ثابت کرنے کی ناپاک سعی کرتے ہیں۔ حالاں کہ جو اس حدیث کے صحیح راوی ہیں وہ ابوخالد احمر ہیں (دیکھو نسائی شریف اخبرنا الجارود بن معاذ الترمذی قال حدثنا ابو خالد الاحمر اور ابن ماجہ میں ہے۔ حدثنا ابوبکر بن ابی شیبۃ بنا ابو خالد الاحمر الخ اور ابوخالد احمر کا نام سلیمان بن حبان ہے اور یہ وہ ہیں جن سے بخاری و مسلم سند لیتے ہیں۔ چنانچہ امام حافظ منذری نے اپنی مختصر میں بجواب ابو داؤد لکھا ہے ولھذا فیہ نظر فان ابا خالد الاحمر ھذا ھو سلیمان بن حبان وھو من الثقات الذی احتج بھم البخاری و مسلم (بنایہ مطبوعہ نول کشور صفحہ 17) یعنی ابوداؤد کے قول میں بحث ہے کیونکہ ابوخالد احمر یہ وہی سلیمان بن حبان ہے اور وہ ایسا ثقہ ہے کہ بخاری و مسلم نے اس سے استدلال کیا ہے اور علامہ ماردینی نے جوہر النقی میں ابوخالد احمر کو ثقہ اور مستند ثابت کر کے لکھا ہے و بھذا یظھران الوھم لیس من ابی خالد کما زعم ابو داؤد۔ یعنی اس عبارت سے ظاہر ہو گیا کہ وہم ابوخالد سے نہیں ہے جیسا کہ ابوداؤد کو شبہ ہوا۔

علاوہ ازیں یہ حدیث انہی الفاظ کے ساتھ ابوخالد کے علاوہ دوسرے ثقات سے بھی

مروی ہے جیسا کہ نسائی شریف، ابن ماجہ شریف اور مسلم شریف میں ہے۔

حدیث: ۴۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جہری نماز سے فارغ ہو کر فرمایا:

هَلْ قَرَأَ مَعِيَ مِنْكُمْ اَحَدٌ اٰنِفًا فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ اَنَا يَا رَسُوْلَ اللهِ۔ قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِنِّيْ اَقُوْلُ مَالِيْ اُنَازِعُ الْقُرْاٰنَ فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاءَةِ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فِيْمَا جَهَرَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بِالْقِرَاءَةِ حِيْنَ سَمِعُوْا ذٰلِكَ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (موطا امام مالک: 286، نسائی: 993 ترمذی: 312)

کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ ابھی قراءت کی تھی؟ ایک شخص نے کہا ہاں میں نے یا رسول اللہ! راوی کہتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میں بھی کہتا تھا کہ کیا وجہ کہ مجھے قرآن کے ساتھ منازعت اور گرانی ہو رہی ہے۔ پس لوگ جہری نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ قراءت کرنے سے رک گئے جب انہوں نے آپ سے سنا کہ یہ آپ کو ناگوار ہے۔

حدیث: ۴۵۔ امام نسائی نے باب باندھا ہے۔ ترك القراءة خلف الامام فيما لم يجهر فيه اور اس کے تحت یہ حدیث نقل فرمائی۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

قَالَ صَلَّى النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الظُّهْرَ فَقَرَءَ رَجُلٌ خَلْفَهُ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى فَلَمَّا صَلّٰى قَالَ مَنْ قَرَءَ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى قَالَ رَجُلٌ اَنَا قَالَ قَدْ عَلِمْتُ اَنَّ بَعْضَكُمْ قَدْ خَالَجَنِيْهَا

(نسائی شریف: 918)

کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی تو ایک شخص نے آپ کے پیچھے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى سورت پڑھی۔ آپ نے نماز کے بعد فرمایا کس نے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى پڑھا تھا؟ ایک شخص نے کہا میں نے! فرمایا بے شک میں نے جانا کہ تم میں سے بعض مجھ کو خلجان میں ڈالتے ہیں۔

اور حدیث صحیح مسلم شریف: 888 میں بھی ہے اور نسائی نے اس کو دوسرے طریق سے

روایت کیا ہے اس میں لفظ صلی الظھرو العصر یعنی ظہر اور عصر کی نماز پڑھائی۔ اور یہ دونوں نمازیں سرّی ہیں تو ان سرّی نمازوں میں بھی امام کے پیچھے پڑھنا باعث خلجان ہوا۔ اسی لیے امام نسائی نے باب منعقد کیا ہے کہ سرّی نماز میں بھی امام کے پیچھے قراءت کو ترک کرنا۔

ان دونوں حدیثوں سے ثابت ہوا کہ جہری اور سرّی نماز میں جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقتدیوں کا امام کے ساتھ قراءت کرنا ناگوار گزرا تو مقتدیوں نے امام کے ساتھ قراءت کرنا چھوڑ دیا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ امام کے پیچھے قراءت کرنا آپ کے حکم سے نہ تھا ورنہ آپ یہ نہ پوچھتے کہ کیا تم میں سے کسی نے میرے ساتھ پڑھا تھا؟ اور صرف ایک شخص نے کہا کہ میں نے پڑھا تھا، معلوم ہوا کہ سب نے نہیں پڑھا تھا، لہٰذا ثابت ہو گیا کہ جو پڑھتے تھے ان کو اطلاع نسخ کی نہ تھی۔

حدیث: ۴۶۔ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَنْ قَرَأَ خَلْفَ الْاِمَامِ فَقَدْ اَخْطَأَ الْفِطْرَةَ

جس نے امام کے پیچھے قراءت کی اس نے فطرت کو غلط ٹھہرایا۔

(درمنثور، جلد 3، صفحہ 156)

اور ایک روایت میں فلیس علی الفطرۃ اور ایک روایت میں ہے لیس علی السنۃ یعنی وہ فطرت اور سنت پر نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری شرح بخاری، جلد 6، صفحہ 13)

حدیث: ۴۷۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَاقِرَاءَةَ خَلْفَ الْاِمَامِ

امام کے پیچھے قراءت نہیں۔

(درمنثور، جلد 3، صفحہ 156)

حدیث: ۴۸۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

مَنْ صَلّٰى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَءْ فِيْهَا بِاُمِّ الْقُرْاٰنِ فَلَمْ يُصَلِّ اِلَّا وَرَاءَ الْاِمَامِ

جس نے رکعت پڑھی اور اس میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھی تو اس کی نماز نہیں ہوئی مگر امام کے پیچھے ہو تو ہو جائے گی۔

(موطا امام مالک: 276، ترمذی: 313)

حدیث: ۴۹۔ حضرت محمد بن عجلان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے فرمایا:

لَيْتَ فِي فَمِ الَّذِي يَقْرَءُ خَلْفَ الْإِمَامِ حَجَرًا (موطاامام محمد ص 46، عمدۃ القاری ج6،ص 13)

کاش! امام کے پیچھے پڑھنے والے کے منہ میں پتھر ہوں۔

حدیث: ۵۰۔ امام مالک، حضرت نافع سے روایت فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے

كَانَ اِذَا سُئِلَ هَلْ يَقْرَأُ اَحَدٌ خَلْفَ الْاِمَامِ قَالَ اِذَا صَلّٰى اَحَدُكُمْ خَلْفَ الْاِمَامِ فَحَسْبُهُ قِرَاءَةُ الْاِمَامِ وَاِذَا صَلّٰى وَحِيْدًا فَلْيَقْرَأُ قَالَ وَ كَانَ عَبْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ لَا يَقْرَءُ خَلْفَ الْاِمَامِ

(موطاامام مالک: 283)

جب سوال کیا جاتا کہ کیا مقتدی امام کے پیچھے پڑھے؟ فرماتے، جب تم میں سے کوئی امام کے پیچھے نماز پڑھے تو امام کی قراءت اس کو کافی ہے اور جب کوئی اکیلا نماز پڑھے تو وہ قراءت پڑھے اور حضرت عبداللہ بن عمر خود بھی امام کے پیچھے نہیں پڑھتے تھے۔

حدیث: ۵۱۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَدِدْتُ اَنَّ الَّذِي يَقْرَأُ خَلْفَ الْاِمَامِ فِي فِيْهِ حَجَرًا

کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ جو امام کے پیچھے قراءت پڑھے اس کے منہ میں پتھر ہو۔

(موطاامام محمد صفحہ 46، عمدۃ القاری ج6 ص 13)

حدیث: ۵۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

لَيْتَ الَّذِي يَقْرَأُ خَلْفَ الْاِمَامِ مُلِئَ فُوْهُ تُرَابًا (طحاوی شریف، جلد 1، صفحہ 129، عمدۃ القاری، جلد 6، صفحہ 13)

کاش! امام کے پیچھے پڑھنے والے کے منہ میں مٹی بھر دی جائے۔

ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے جلیل القدر اصحاب نے اس سے منع فرمایا ہے۔

سوال: صحیح حدیثوں میں آیا ہے لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ اور لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ۔ کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔ ثابت ہوا کہ بغیر سورۂ فاتحہ کے کسی کی نماز نہیں ہوتی اور امام کے پیچھے جو لوگ سورۂ فاتحہ نہیں پڑھتے ان کی بھی نماز نہیں ہوتی۔

جواب:

یہ احادیث امام کے پیچھے نماز پڑھنے والے مقتدی کے لیے نہیں بلکہ منفرد یعنی تنہا نماز پڑھنے والے کے لیے ہیں چناں چہ ترمذی شریف میں ہے: واما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی ﷺ لا صلوٰۃ لمن لم یقراء بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ واحتج بحدیث جابر بن عبداللہ حیث قال من صلی رکعۃ لم یقرء فیھا بامر القراٰن فلم یصل الا یکون وراء الامام قال احمد فھذا رجل من اصحاب النبی ﷺ تاول قول النبی ﷺ لا صلوۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب ان ھذا اذا کان وحدہ۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کہ ''اس کی نماز نہیں جو سورۂ فاتحہ نہ پڑھے'' کا معنی یہ ہے کہ جب نمازی تنہا نماز پڑھے اور انہوں نے استدلال کیا حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث سے کہ جو شخص کوئی رکعت بغیر سورۂ فاتحہ کے پڑھے تو نماز نہیں ہوگی مگر جب کہ وہ امام کے پیچھے ہو تو ہو جائے گی۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ حضرت جابر بن عبداللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک (جلیل القدر) صحابی ہیں انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث لا صلوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا یہ مطلب نکالا ہے کہ یہ اس وقت ہے جب کہ نمازی اکیلا نماز پڑھے۔

ثابت ہوا کہ یہ حدیثیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے والے متقدی کے لیے نہیں ہیں بلکہ تنہا نماز پڑھنے والے منفرد کے لیے ہیں اور یہ بھی یاد رہے کہ ہم حنفیوں کی نماز بھی بغیر سورۂ فاتحہ کے نہیں ہوتی ہر نماز میں بلکہ ہر رکعت میں امام سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے اور امام کا پڑھنا بحکم حدیث من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ مقتدی کا پڑھنا ہے تو بغیر سورۂ فاتحہ کے نماز کہاں ہوئی۔ سورۂ فاتحہ تو باقاعدہ پڑھی گئی۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مقام پر امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا فاتحہ خلف الامام کے متعلق ارشاد گرامی ہدیہ قارئین کیا جائے۔ فرماتے ہیں:

مدتے ارزوئے آں داشت کہ وجھے پیدا شود وجیہہ در مذہب حنفی تا در خلف امام قراۃ فاتحہ نمودہ آید ہر گاہ قراءت در نماز فرض باشد از قراءت حقیقی عدول نمودہ بقراءت حکمی قرار دادن معقول نمے شد با آنکہ در حدیث نبوی آمدہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب۔ اما بواسطہ رعایت مذہب بے اختیار ترک قراءت میکردو ایں ترک را از قبیل ریاضت ومجاہدہ مے شمرد آخر الامر حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ ببرکت رعایت مذہب کہ نقل از مذہب الحاد است حقیقت مذہب حنفی در ترک قراءت ماموم ظاہر ساخت وقراءت حکمی از قراءت حقیقی در نظر بصیرت زیبا تر نمود کہ امام و ماموم ہمہ باتفاق در مقام مناجات مے ایستند لان المصلی یناجی ربہ وامام را دریں امر پیشوائے سازند پس امام ہرچہ میخواند گویا در زبان قوم میخواند در رنگ آنکہ جماعۃ پیش پادشاہ عظیم الشان بحاجتے بروند ویکے را پیشوا سازند تا از

مدت سے یہ آرزو تھی کہ مذہب حنفی میں کوئی روشن وجہ ظاہر ہو جائے جس سے امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی حقیقت واضح ہو جائے اس لیے کہ نماز میں قراءت فرض ہے اور قراءت حقیقی سے قراءت حکمی (کہ امام کا پڑھنا مقتدی کا پڑھنا) کی طرف آنا امر معقول نہیں جب کہ حدیث پاک نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں بھی آیا ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی لیکن مذہب حنفی کی رعایت کرتے ہوئے مجبوراً (امام کے پیچھے) قراءت چھوڑتا تھا اور اس ترک قراءت کو ایک قسم کی مشقت اور مجاہدہ سمجھتا تھا۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے مذہب حنفی کی رعایت کی برکت سے کیوں کہ مذہب سے پھرنا الحاد ہے مذہب حنفی کی حقیقت مقتدی کے ترک قراءت کے بارے میں ایسی ظاہر فرما دی کہ بصیرت کی نظر میں قراءت حکمی قراءت حقیقی سے بہت بہتر دکھائی دینے لگی وہ اس طرح کہ امام اور مقتدی سب کے سب مقام مناجات میں

زبان ہمہ اینہا عرض حاجت نماید بریں تقدیر اگر دیگراں نیز باوجود تکلم پیشوا در تکلم آیند داخل سوء ادبست و موجب عدم رضائے پادشاہ پس تکلم حکمی ایں جماعۃ کہ بزبان پیشوا ادا مے باید بہتر ست از تکلم حقیقی اینہا ہم چینس است حال قراءت قوم باوجود قراءت امام کہ داخل شغب است و از ادب مستبعد و موجب تفرق کہ منافی اجتماع ست و اکثر مسائل خلافی میان حنفی و شافعی ازیں قبیل ست کہ ظاہر و سورت مرجح بجانب شافعی است و باطن و حقیقت مؤید مذہب حنفی

(مبداء ومعاد صفحہ 37)

کھڑے ہوتے ہیں اور اپنے رب سے دعا کرتے ہیں اور امام کو اس معاملہ میں اپنا پیشوا بناتے ہیں امام جو کچھ بھی کہتا ہے وہ گویا مقتدیوں کی زبان میں کہتا ہے یعنی ان کی ترجمانی کرتا ہے جیسا کہ کوئی جماعت کسی عظیم الشان بادشاہ کے حضور اپنی کوئی حاجت لے کر جائے اور اس سلسلے میں ایک شخص کو اپنا امام و پیشوا بنائے کہ وہ ان سب کی ترجمانی کرتے ہوئے اس حاجت کو بادشاہ کے سامنے پیش کرے تو جب وہ امام اس حاجت کو بادشاہ کے حضور پیش کر رہا ہو اس وقت دوسرے سب لوگ بھی اس کے ساتھ ساتھ بادشاہ کے سامنے بولتے جائیں تو اس کو خلاف ادب، گستاخی اور بدتہذیبی سمجھا جائے گا اور یہ بادشاہ کی ناراضی کا موجب ہوگا۔ لہٰذا اس جماعت کا تکلم حکمی جو کہ ان کے پیشوا کی زبان سے ادا ہوا ان کے تکلم حقیقی یعنی ان کی اپنی زبان سے بہتر ہوگا۔ اسی طرح امام کے پیچھے قراءت کا حال ہے کہ امام کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ مقتدیوں کا پڑھنا باعث خلل، ادب

کے خلاف تفریق کا موجب ہوگا جو کہ ان کی اجتماعی حالت یعنی نظم جماعت کے منافی ہے۔ امام اعظم اور امام شافعی کے درمیان اکثر مختلف فیہ مسائل کا یہی حال ہے کہ ظاہر صورت میں امام شافعی کے حق میں ہوتے ہیں اور باطن اور حقیقت کی رو سے مذہب حنفی کی تائید کرتے ہیں۔

آمین خفیہ کہنا

سب سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ ''آمین'' کیا ہے؟ اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ آمین دعا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: **قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا** (یونس:89) (بے شک تم دونوں کی دعا قبول ہوئی) اس آیت کی تفسیر میں تمام مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا مانگتے تھے اور ہارون علیہ السلام آمین کہتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے **دَّعْوَتُكُمَا** فرما کر دعا کی نسبت دونوں کی طرف کی۔ لہٰذا واضح طور پر ثابت ہوا کہ آمین کہنا دعا ہے اور صحیح بخاری باب 111 میں ہے: **قَالَ عَطَاءٌ اٰمِیْنَ دُعَاءٌ**۔ (حضرت عطا تابعی فرماتے ہیں کہ آمین دعا ہے۔) اور جمہور کے نزدیک اس کے معنی ہیں **اَللّٰهُمَّ اسْتَجِبْ** اے اللہ قبول فرما۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آمین کے معنی پوچھے تو آپ نے فرمایا، اِفْعَلْ یعنی اے اللہ ایسا ہی کردے۔ (مظہری، جلد 1، صفحہ 10)

جب یہ ثابت ہوگیا کہ آمین کہنا دعا ہے تو دعا کے متعلق خود ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝۵۵ (الاعراف:55)

دعا کرو اپنے رب سے گڑگڑاتے ہوئے اور خفیہ بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔

اس آیت میں صریح حکم ہے کہ دعا عاجزی کرتے ہوئے خفیہ طور پر کرو اور ''خفیہ'' ضد

ہے ''جہر'' کی تو ارشاد ربانی سے ثابت ہو گیا کہ دعا چپکے چپکے کرنی چاہیے۔ جہری طور پر نہیں۔ دوسرے مقام پر فرمایا: تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً (الانعام:63) (تم دعا کرتے ہو اس (اللہ) سے عاجزی کرتے ہوئے اور چپکے چپکے۔ تیسرے مقام پر فرمایا: ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۚ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا (مریم:3-2) (یہ ذکر ہے تیرے رب کی رحمت کا جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی جب اس نے اپنے رب کو چپکے چپکے پکارا) ان دو آیتوں میں بھی خفیہ دعا کو بطور تعریف بیان فرمایا اور حضرت زکریا علیہ السلام کی خفیہ دعا سے اللہ تعالیٰ راضی ہوا اور ان پر رحمت فرمائی۔

پہلی آیت میں خفیہ دعا کرنے کا حکم دے کر فرمایا ''اعتدا'' کرنے والوں کو اللہ دوست نہیں رکھتا اور ''اعتدا'' حد سے تجاوز کرنے کو کہتے ہیں۔ دعا میں حد سے بڑھنے اور تجاوز کرنے کی کئی صورتیں ہیں۔ ان میں ایک صورت آواز بلند کرنا بھی ہے۔ چنانچہ تفسیر خازن و معالم التنزیل و کبیر میں ہے: وقیل اراد به الاعتداء بالجهر قال الكلبي وابن جريج من الاعتداء رفع الصوت في الدعاء (معالم التنزیل، جلد2 صفحہ 241، کبیر، جلد4، صفحہ 244) اور کہا گیا ہے کہ اعتداء سے مراد دعا میں جہر کرنا ہے۔ کلبی اور ابن جریج نے فرمایا ہے کہ اعتداء دعا میں آواز کا بلند کرنا ہے۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واعلم ان الاخفاء معتبر في الدعاء و يدل عليه وجوه (الاول) هذه الآية فانها تدل على انه تعالى امر بالدعاء مقرونا بالخفاء و ظاهر الامر للوجوب فان لم يحصل الوجوب فلا اقل من كونه ندبا ثم قال تعالىٰ بعده انه لا يحب المعتدين والا

اور جان لو کہ اخفاء دعا میں معتبر ہے اور اس پر کئی دلیلیں ہیں (پہلی دلیل) تو یہی آیت ہے تو بلاشبہ یہ آیت دلالت کرتی ہے اس پر کہ اللہ تعالیٰ نے دعا کا حکم دیا ہے اور اس کو اخفاء کے ساتھ مقید کیا ہے۔ اور ظاہراً امر وجوب کے لیے ہے۔ پس اگر وجوب حاصل نہ بھی ہو تو کم از کم

ظهران المراد انه لا یحب المعتدین فی ترك هذین الامرین المذكورین و هما التضرع والاخفاء فان الله لا یحبه و محبته الله تعالیٰ عبارة عن الثواب فكان المعنی ان من ترك فی الدعاء الضرع والاخفاء فان الله لا یثیبه البتة ولا یحسن الیه ومن كان كذالك كان من اهل العقاب لا محالة فظهران قوله تعالیٰ انه لا یحب المعتدین كالتهدید لشدید علیٰ ترك الضرع والاخفاء فی الدعاء (الحجة الثانیة) انه تعالیٰ اثنی علی زكریا فقال اذ نادیٰ ربه نداء خفیا ای اخفاء عن العباد واخلصه لله وانقطع به الیه (الحجة الثالثة) ما روی ابو موسیٰ الاشعری رضی الله عنهم انهم كانوا فی غزاة فاشرقوا علی ود فجعلوا یكبرون و یهللون رافعی اصواتهم فقال علیه السلام ارفقوا علی انفسكم انكم لا تدعون اصم ولا غائبا انكم تدعون سمیعا قریبا وانه لمعكم (الحجة الرابعة) قوله علیه السلام دعوة فی

استحباب کا درجہ ضرور حاصل ہوگا۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ وہ حد سے تجاوز کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا اور ظاہر تر یہ ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ ان کو دوست نہیں رکھتا جو ان دو مذکور امور یعنی تضرع اور اخفاء کو دعا میں ترک کرتے ہیں اور اللہ کی محبت و دوستی ثواب سے عبارت ہے تو معنی یہ ہوا کہ جو شخص دعا میں تضرع اور اخفاء کو ترک کرے گا اللہ اس کو ثواب نہیں دے گا اور نہ اس پر احسان فرمائے گا اور جو شخص ایسا ہوگا وہ لامحالہ اہل عقاب میں سے ہوگا۔ پس ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان انه لا یحب المعتدین بطور تہدید شدید کے ہے اس پر جو دعا میں تضرع اور اخفاء ترک کرے۔ (دوسری دلیل یہ ہے) کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کی تعریف فرمائی تو فرمایا کہ ''جب زکریا نے اپنے رب سے ندا کی'' ندائے خفی یعنی اس کو بندوں سے چھپایا اور اس دعا کو اللہ کے لیے خاص کیا اور اس کے ساتھ اللہ کی طرف انقطاع کیا (تیسری دلیل) وہ

السر تعدل سبعین دعوۃ فی العلانیہ و عند علیه السلام خیر الذکر الخفی و خیر الرزق ما یکفی

(تفسیر کبیر، جلد 4، صفحہ 243)

حدیث جس کو ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے کہ صحابہ ایک غزوۂ میں تھے پس ایک وادی میں آئے تو بلند آواز سے اللہ اکبر اور لا الٰہ الا اللہ کہنے لگے۔ حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا، اپنی جانوں پر نرمی کرو تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے ہو تم تو سمیع وقریب اللہ کو پکارتے ہو جو بلاشبہ تمہارے ساتھ ہے (چوتھی دلیل) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ خفیہ دعا برابر ہے ستر دعائے جلی کے اور آپ کا ہی ارشاد ہے کہ بہتر ذکر خفی ہے اور بہتر رزق وہ ہے جو کفایت کرے۔

یہی امام رازی رحمۃ اللہ علیہ باوجود شافعی ہونے کے فرماتے ہیں کہ:

قال ابو حنیفة رحمه الله اخفاء التامین افضل وقال الشافعی رحمه الله اعلانه افضل و احتج ابو حنیفة علی صحة قوله قال فی قوله امین وجهان (احدهما) انه دعاء (والثانی) انه من اسماء فان الله کان دعاء وجب اخفاءه لقوله تعالیٰ ادعوا ربکم تضرعا و خفیة و ان کان اسماء من اسماء الله تعالیٰ وجب اخفاءه لقوله

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ آمین خفیہ کہنا افضل ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اس کا اعلانیہ کہنا افضل ہے اور امام ابو حنیفہ نے اخفاء آمین میں دو وجہیں بیان کی ہیں ایک یہ کہ آمین دعا ہے اور دوسری یہ کہ آمین اسماء الٰہی میں سے ہے۔ پس اگر دعا ہے تو اس کا اخفا واجب ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اپنے رب سے دعا مانگو عاجزی سے اور

تعالٰی واذکر ربك فی نفسك تضرعا و خیفة فان لم یثبت الوجوب فلا اقل من الندبة و نحن بھذا القول نقول۔
(تفسیر کبیر، صفحہ 243)

آہستہ اور اگر اللہ تعالٰی کے اسماء میں سے اسم ہے تب بھی اس کا اخفا واجب ہے اس لیے کہا اللہ تعالٰی کا فرمان ہے کہ اپنے رب کو اپنے جی میں عاجزی سے اور خفیہ طور پر یاد کرو۔ تو اگر وجوب نہ بھی ثابت ہو تو استحباب سے تو کم نہیں ہے اور اس کے ہم بھی قائل ہیں۔

صاحب تفسیر خازن علامہ امام علی بن محمد رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کے لفظ خفیہ کے تحت فرماتے ہیں:

یعنی سرا فی انفسکم وھو ضد الاعلانیة والادب فی الدعاء ان یکون خفیا لھذہ الایة قال الحسن بین دعوة السر و دعوة الاعلانیة سبعون ضعفا
(تفسیر خازن، جلد 2، صفحہ 97)

یعنی پوشیدہ اپنے جی میں دعا کرو اور یہ (لفظ خفیہ) ضد ہے اعلان اور جہر کی اور دعا میں ادب یہ ہے کہ وہ خفیہ ہو۔ اس آیت کی رو سے اور امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ دعائے خفیہ اور دعائے اعلانیہ میں ستر درجہ کا فرق ہے یعنی خفیہ دعا ستر درجہ افضل ہے۔

حدیث: ۵۳۔ صاحب تفسیر مدارک علامہ امام نسفی رحمۃ اللہ علیہ اسی آیت کے تحت فرماتے ہیں:

قَالَ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِنَّکُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا اِنَّمَا تَدْعُوْنَ سَمِیْعًا قَرِیْبًا اِنَّهٗ مَعَکُمْ اَیْنَ مَا کُنْتُمْ (مدارک علی الخازن، جلد 2، صفحہ 97، کنز العمال: 3243)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے ہو تم تو سمیع و قریب (اللہ) کو پکارتے ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے، تم جہاں بھی ہو۔

الحمد للہ آیات قرآنی اور معتبر تفاسیر سے ثابت ہو گیا کہ دعا خفیہ طور پر کرنا ہی افضل اور بہتر ہے اور آمین کہنا بھی دعا ہے لہٰذا ثابت ہو گیا کہ آمین خفیہ اور آہستہ کہنی چاہیے۔

غیر مقلد: اگر بحکم ربانی ادعوا ربکم الآیہ دعا خفیہ اور آہستہ کرنی چاہیے تو جن دعاؤں کا بلند آواز سے کرنا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے ان کے متعلق کیا کہیں گے؟ نیز سورۂ فاتحہ بھی دعا ہے اس کے علاوہ دعائیں جو قرآن میں ہیں آپ بھی ان کو جہری نمازوں میں جہر سے پڑھتے ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ خود حنفیہ بھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی حکم الٰہی کے خلاف امر کے مرتکب ہوئے؟ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ دعائیں مستثنٰی ہیں۔ اسی طرح آمین بھی اگرچہ دعا ہے مگر وہ مستثنٰی ہے۔

جواب: خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد مبارک گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے کہ جب صحابہ کرام نے بلند آواز سے اللہ تعالیٰ کو پکارا تو آپ نے فرمایا، تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے ہو بلکہ تم سمیع وقریب کو پکارتے ہو اور وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے لازماً تسلیم کرنا پڑے گا کہ جو دعائیں آپ نے بلند آواز سے فرمائیں وہ تعلیم کے لیے فرمائیں اور سورۂ فاتحہ اور قرآنی دعائیں جو جہری نماز میں پڑھی جاتی ہیں ان میں مقصود واہم امر قراءت ہے نہ کہ قصد دعا۔ دعا کا قصد تبعاً ہے نہ اصالۃً۔ دوسری بات یہ ہے کہ سنت متواترہ مشہورہ اور اجماع سے ان کا جہر ثابت ہوا ہے اور حنفیہ کے نزدیک متواتر اور مشہور اخبار سے زیادتی یا تخصیص قرآن کی جائز ہے بخلاف خبر احاد ظنی کے یعنی آمین وغیرہ ادعیہ کے اس میں بڑے بڑے صحابہ کرام وائمہ مجتہدین اور علماء کا اختلاف ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ اور جمیع اہل کوفہ و امام مالک جو عالم مدینہ ہیں اور اہل مدینہ کے حالات سے بخوبی واقف تھے۔ آمین بالجہر کے تارک تھے۔ پھر اس صورت میں تخصیص کیوں کر ہوسکتی ہے۔ حنفیہ کا دعویٰ ہے کہ کوئی غیر مقلد اس کو قیامت تک نہیں ثابت کرسکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ یا اکثر اور جمہور صحابہ کرام نے بھی آپ کی اقتداء میں اور آپ کے بعد آمین بالجہر کیا ہے اگر ایسا ہوتا تو یہ مسئلہ اختلافی کیوں ہوتا اور شافعیہ بھی باوجود مخالف احناف ہونے کے آمین بالجہر کو سنت نہیں سمجھتے بلکہ مستحب جانتے ہیں۔ چنانچہ امام نووی صحیح مسلم شریف کی شرح میں آمین کے باب میں لکھتے ہیں: فی ھذہ الاحادیث استحباب التامین عقیب الفاتحۃ للامام و الماموم

المنفرد (جلد 1، صفحہ 176) یعنی ان حدیثوں میں آمین کے مستحب ہونے کا ذکر ہے فاتحہ کے بعد امام اور مقتدی اکیلے کے لیے۔

اب احادیث شریفہ ملاحظہ فرمائیے:

حدیث: ۵۴۔ حضرت علقمہ بن وائل اپنے باپ وائل سے روایت کرتے ہیں کہ:

اَنَّہٗ صَلّٰی مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فَلَمَّا بَلَغَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ قَالَ اٰمِیْنَ وَ اَخْفٰی بِہَا صَوْتَہٗ (دار قطنی:1270)

بے شک انہوں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی پس جب آپ **غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْہِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ** ○ پر پہنچے تو آپ نے آمین کہا اور اپنی آواز کو پوشیدہ کیا۔

غیر مقلد: یہ حدیث منقطع ہے قابل حجت نہیں اس لیے کہ علقمہ کا سماع (سننا) اپنے باپ وائل سے ثابت نہیں وہ اپنے باپ کی وفات کے چھ ماہ بعد پیدا ہوا ہے اس کے مقابلے میں صحیح حدیث یہ ہے جس سے آمین بالجہر ثابت ہے:

حدیث: ۵۵۔ عَنْ عَبْدِ الْجَبَّارِ بْنِ وَائِلٍ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ صَلَّیْتُ مَعَ النَّبِیِّ ﷺ فَلَمَّا قَالَ وَلَا الضَّآلِّیْنَ قَالَ اٰمِیْنَ وَ سَمِعْنَاہَا مِنْہُ (ابن ماجہ:855)

عبد الجبار بن وائل اپنے باپ وائل سے روایت کرتا ہے کہ اس نے کہا میں نے نبی ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی پس جب آپ نے **وَ لَا الضَّآلِّیْنَ** پڑھا تو آمین کہا اور ہم نے اس کو آپ سے سنا۔

جواب: غیر مقلدین کی لیاقت، حدیث دانی اور مبلغ علم کا یہ حال ہے کہ سچ کو جھوٹ اور جھوٹ کو سچ بنا دیا۔ اس لیے کہ معاملہ بالکل برعکس ہے یعنی حقیقت یہ ہے کہ حضرت علقمہ کا سماع اپنے باپ حضرت وائل سے دلائل صریحہ واضحہ سے ثابت ہے۔ البتہ اس کے بھائی عبد الجبار کا سماع اپنے باپ حضرت وائل سے ثابت نہیں وہ اپنے باپ کی وفات کے بعد پیدا ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو ترمذی شریف کتاب الحدود میں ہے:

امام ترمذی فرماتے ہیں:

سمعت محمدا یقول عبدالجبار بن وائل بن حجر لم یسمع من ابیه ولا ادرکه یقال انه ولد بعد موت ابیه باشھر کہ میں نے محمد (امام بخاری) سے سنا وہ فرماتے تھے کہ عبدالجبار بن وائل بن حجر نے اپنے باپ وائل سے نہیں سنا اور نہ اس نے اس کو پایا یعنی نہیں دیکھا۔ کہا جاتا ہے کہ بے شک وہ اپنے باپ کے انتقال کے کئی مہینے بعد پیدا ہوا۔ اسی میں ہے و علقمة بن وائل بن حجر سمع من ابیه وھو اکبر من عبدالجبار بن وائل و عبدالجبار بن وائل لم یسمع من ابیه کہ علقمہ بن وائل بن حجر نے اپنے باپ سے سنا ہے اور وہ عبدالجبار بن وائل سے بڑا ہے اور عبدالجبار بن وائل نے اپنے باپ سے نہیں سنا ہے، اور سنیے نسائی شریف میں ہے اخبرنا سوید بن نصر اخبرنا عبدالله بن المبارك عن قیس بن سلیم العنبری حدثنا علقمة بن وائل حدثنی ابی قال صلیت خلف رسول الله ﷺ (الحدیث) (نسائی شریف کتاب الصلوٰۃ) اخبرنا محمد بن بشار قال حدثنا یحیی بن سید عن عوف بن ابی جمیلة قال حدثنی حمزة ابوعمر العائذی قال حدثنا علقمه بن وائل عن وائل قال شھدت رسول الله ﷺ (الحدیث) اخبرنا عمرو بن منصور قال حدثنا حفص بن عمروھو الحوضی قال حدثنا جامع بن مطر عن علقمة بن وائل عن ابیه قال کنت قاعدا عند رسول الله ﷺ (الحدیث) اخبرنا زکریا بن یحیی قال حدثنا عبید الله بن معاذ قال حدثنا ابی قال حدثنا ابویونس عن سماك بن حرف ان علقمة بن وائل حدثه ان اباه حدثه قال انی لقاعد مع رسول الله ﷺ (الحدیث) اخبرنا محمد بن معمر قال حدثنا یحیی بن حماد عن ابی عوانة عن اسمعیل ابن سالم عن علقمة بن وائل ان اباه حدثھم ان النبی ﷺ ابی برجل (الحدیث) (نسائی شریف، کتاب القسامۃ) اور سنیے ابوداؤد شریف، کتاب الصلوٰۃ میں ہے۔ حدثنا عبدہ بن عبدالله ثنا یحیی بن آدم ثنا موسی بن قیس الحضرمی عن سلمة بن کھیل عن علقمة بن وائل

عن ابیه قال صلیت مع النبی ﷺ (الحدیث)

ائمہ حدیث از صحاح ستہ اور امام بخاری سے بھی تسلی نہ ہوئی ہو تو اپنے غیر مقلد پیشوا نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی کی ہی مان لیجئے۔ فرماتے ہیں ''وسماع علقمہ از ابیہ ثابت است پس حدیث سالم باشد از انقطاع (مسک الختام شرح بلوغ المرام صفحہ 473) یعنی سماع علقمہ کا اپنے باپ سے ثابت ہے۔ لہٰذا حدیث انقطاع سے سالم اور محفوظ ہے الحمد للہ ثابت ہو گیا کہ غیر مقلد کا اعتراض سراسر غلط اور جہالت ہے اور سماع علقمہ کا اپنے باپ سے ثابت ہے اور خفیہ آمین کہنے والی حدیث منقطع نہیں۔ اس کے برعکس غیر مقلدین کی بلند آواز سے آمین کہنے والی حدیث منقطع ہے جو لائق حجت نہیں۔

حدیث: ۵۶۔ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ:

اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ قَرَأَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ فَقَالَ اٰمِیْنَ وَ خَفَضَ بِهَا صَوْتَهٗ (ترمذی:248)	بے شک نبی ﷺ نے پڑھا **غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ** تو فرمایا امین اور آپ نے اپنی آواز کو پست کیا۔

غیر مقلد: ترمذی کی یہ حدیث ضعیف ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ خود اس حدیث کے مخرج امام ترمذی فرماتے ہیں: سمعت محمد یقول حدیث سفیان اصح من حدیث شعبۃ فی ھذا۔ (میں نے محمد (امام بخاری) سے سنا، انہوں نے فرمایا کہ حدیث سفیان حدیث شعبہ سے زیادہ صحیح ہے اس باب میں۔

جواب: غیر مقلدین کی لیاقت اور حدیث فہمی بھی ''قابل داد'' ہے کہ حدیث کو ضعیف قرار دے رہے ہیں اور دلیل میں امام بخاری کا یہ قول پیش کر رہے ہیں کہ حدیث سفیان جس میں ہے مد بها صوته یعنی آمین کہنے میں آپ نے اپنی آواز کو دراز کیا۔ یہ حدیث حدیث شعبہ سے زیادہ صحیح ہے۔ حالانکہ زیادہ صحیح ہونا منافی صحت نہیں بلکہ اقرار صحت ہے۔ کیونکہ اصح کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ وہ بھی صحیح ہے مگر یہ اس سے زیادہ صحیح ہے۔ اس سے حدیث کا ضعیف ہونا کیسے ثابت ہو گیا؟

غیر مقلد: اس حدیث کے راوی شعبہ نے کئی جگہ خطا کی ہے۔ مثلاً اس نے اس حدیث میں کہا ہے کہ حجر عنبس کا باپ ہے۔ حالاں کہ حجر عنبس کا بیٹا ہے اور کنیت ابا سکن ہے۔

جواب: اس خطا کو شعبہ کی طرف منسوب کرنا خود خطا ہے۔ چناں چہ شیخ الاسلام علامہ عینی شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ حجر کی کنیت ابوالعنبس ہونے پر ابن حبان نے کتاب الثقات میں جزم کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی کنیت اپنے باپ کے نام کی طرح ہے اور یہ کہ اس کی کنیت ابوالسکن ہے اس کے منافی نہیں کہ اس کی کنیت ابوالعنبس بھی ہو کیوں کہ ایک شخص کی دو کنیتیں ہو سکتی ہیں اس کو کون سی چیز مانع ہے؟

مولف ناچیز کہتا ہے کہ حجر عنبس کا بیٹا ہے۔ پھر اگر اس نے اپنے بیٹے کا نام اپنے باپ کے نام پر رکھا تو اب اس کے بیٹے کا نام عنبس ہوا تو وہ ابوالعنبس ہوا یا نہیں؟

دوسری خطا شعبہ نے یہ کی ہے کہ اس نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے آمین کہتے وقت آواز پست کی حالاں کہ صحیح یہ ہے کہ آواز کو دراز کیا۔

جواب: یہ بھی کوئی خطا نہیں ہے جب کہ مدبھا صوته اور خفض بھا صوته میں منافات نہیں اور اس میں تطبیق یوں ہو سکتی ہے کہ جب حضور ﷺ نے شروع میں تعلیم امت کے لیے آمین کو بالجہر فرمایا تھا اس وقت آمین کو لمبا کر کے پڑھا اور جب تعلیم ہو گئی پھر آمین کو بالسر فرمایا۔ چناں چہ شیخ الاسلام علامہ عینی فرماتے ہیں: قلت تخطیئة مثل شعبة خطاء کیف وھو امیر المومنین فی الحدیث (میں کہتا ہوں کہ شعبہ جیسے راوی کی خطا پکڑنی خود خطا ہے اور کیسے خطا نہ ہو جب کہ وہ علم حدیث میں امیر المومنین ہیں) اور اگر علامہ عینی پر اعتبار نہ ہو تو ترمذی شریف کتاب العلل میں دیکھیے: حدثنا محمد بن اسمعیل نا عبد الله بن ابی الاسود نا ابن مھدی قال سمعت سفیان یقول شعبة امیر المومنین فی الحدیث۔ (یعنی بیان کیا ہم سے محمد بن اسمٰعیل نے کہا بیان کیا ہم سے عبداللہ بن ابی الاسود نے کہا بیان کیا ہم سے ابن مہدی نے۔ انہوں نے کہا سنا میں نے سفیان سے وہ فرماتے تھے کہ شعبہ علم حدیث میں امیر المومنین ہیں)۔ امام ترمذی فرماتے

ہیں: قال ابوبکر وحدثنی ابو الولید قال قال لی حماد بن سلمۃ ان اردت الحدیث فعلیك بشعبۃ (ابوبکر نے کہا اور بیان کیا مجھ سے ابوالولید نے اس نے کہا مجھ سے حماد بن سلمہ نے کہا کہ اگر تجھ کو حدیث کی چاہت اور شوق ہے تو شعبہ کی صحبت کو اپنے اوپر لازم کر لے) اسی میں ہے: قال علی قلت لیحیی ایھما کان احفظ للاحادیث الطوال سفیان او شعبۃ قال کان شعبۃ امر فیھا قال یحیی بن سعید و کان شعبۃ اعلم بالرجال فلان عن فلان و کان سفیان صاحب الابواب۔ (یعنی علی بن عبداللہ نے کہا میں نے یحییٰ بن سعید سے پوچھا کہ بڑی بڑی حدیثوں کو زیادہ یاد رکھنے والے سفیان ہیں یا شعبہ؟ تو انہوں نے کہا ان حدیثوں میں شعبہ زیادہ قوی ہیں اور کہا یحییٰ بن سعید نے کہا کہ شعبہ علم رجال یعنی راویوں کے حال جو ایک دوسرے سے روایت کرتے ہیں، کا زیادہ علم رکھتے تھے اور سفیان صاحب ابواب تھے)۔ امام نووی ''تہذیب الاسماء'' میں فرماتے ہیں کہ شعبہ بڑے محدثین اور کبار محققین سے ہیں ان کے امام علم حدیث اور احتیاط اور اتقان اور جلالت شان پر محدثین کا اجماع اور اتفاق ہے۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ شعبہ کے زمانہ میں علم حدیث میں ان کی مثل اور ان سے عمدہ اور بہتر کوئی اور نہ تھا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث نہ پہچانی جاتی۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ شعبہ علم حدیث اور احوال روات میں امت واحدہ ہیں خود حضرت شعبہ فرماتے تھے کہ میں نے جس راوی سے بھی حدیث سنی اس کے پاس کئی مرتبہ آیا اور بار بار اس کو حدیث سنا کر اچھی طرح تسلی اور تشفی کرتا تھا تا کہ کوئی غلطی نہ ہو جائے۔ (دیکھو ترمذی شریف کتاب العلل)

ایسے محقق اور حافظ حدیث امام جن کی جلالت شان پر بڑے بڑے ائمہ کا اتفاق ہے اس کی طرف خطا کی نسبت کرنا خود خطا نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ اور امام بخاری جن سفیان کی حدیث کو شعبہ کی حدیث سے زیادہ صحیح کہتے ہیں وہ حضرت سفیان خود حضرت شعبہ کو امیر المومنین فی الحدیث فرماتے ہیں۔ کما مر۔ لیجئے ہم خود حضرت سفیان سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا

آمین آہستہ کہنا ثابت کر دیتے ہیں، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:

حدیث: ۵۷۔ حَدَّثَنَا وَكِيْعٌ قَالَ ثَنَا سُفْيَانَ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ كُهَيْلٍ عَنْ حُجْرِ بْنِ عَنْبَسَ عَنْ وَائِلِ بْنِ حُجْرٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا قَرَأَ وَلَا الضَّآلِّيْنَ فَقَالَ اٰمِيْنَ وَ خَفِضَ بِهَا صَوْتُهُ (مسند امام احمد: 19059)

بیان کیا ہم سے وکیع نے۔ کہا بیان کیا ہم سے سفیان نے سلمہ بن کہیل سے حجر بن عنبس سے وائل بن حجر سے انہوں نے فرمایا، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا کہ جب آپ نے **وَلَا الضَّآلِّيْنَ** پڑھا تو فرمایا آمین اور اپنی آواز کو پوشیدہ فرمایا۔

افسوس۔ غیر مقلدین صحیح حدیثوں کا انکار کرتے ہیں اور دعویٰ اہل حدیث ہونے کا کرتے ہیں اور امام اعظم امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تقلید کو شرک کہتے ہیں اور خود امام بخاری کی تقلید میں ایسے جلیل القدر امام شعبہ امیر المومنین فی الحدیث کو بلا وجہ خاطی قرار دیتے ہیں۔ **وَسَيَعْلَمُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَّنْقَلِبُوْنَ**۔

حدیث: ۵۸۔ انہی سے روایت ہے:

اِنَّهٗ صَلّٰى مَعَ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فَلَمَّا قَرَأَ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ قَالَ اٰمِيْنَ خَفِضَ بِهَا صَوْتَهٗ (مسند ابوداؤد طیالسی: 1117، مسند امام احمد: 19048، طبرانی: باب الواو: 3)

کہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی پس جب آپ نے **غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ** پڑھا۔ آپ نے آمین کہا اور اپنی آواز کو پست کیا۔

حدیث: ۵۹۔ حضرت ابو وائل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

لَمْ يَكُنْ عُمَرُ وَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا يَجْهَرَانِ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ وَلَا بِاٰمِيْنَ (عمدۃ القاری شرح بخاری، جلد 5، صفحہ 52)

کہ حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما **بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ** اور آمین جہر سے نہیں پڑھتے تھے یعنی ان دونوں کو سرّی طور پر پڑھتے تھے۔

حدیث: ۶۰۔ حضرت ابراہیم نخعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

اَرْبَعٌ یُخْفِیْهِنَّ الْاِمَامُ التَّعَوُّذُ وَ الثَّنَاءُ وَالتَّسْمِیَةُ وَالتَّامِیْنُ

(فتح القدیر، عمدۃ القاری، صفحہ، جلد 5، صفحہ 51)

کہ چار چیزیں امام خفیہ کہے۔ اعوذ باللہ، سبحٰنک اللھم، بسم اللہ اور آمین۔

ان حدیثوں سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے سورۂ فاتحہ کے بعد آمین کو خفیہ کہا ہے اور بعض روایات میں جو آیا ہے کہ آپ نے بلند آواز سے کہا ہے تو وہ شروع شروع میں تعلیم امت کے لیے کہا ہے بعد میں آہستہ کہا۔ ورنہ احادیث میں تعارض وتناقض ہو جائے گا اور تعارض وتناقض کے وقت رجوع کیا جائے گا۔ اصل دعا کی طرف کہ آیت قرآنی اور حکم ربانی کے موافق اس کے لیے حکم اخفا کا ہے۔ لہٰذا بحکم اصول حدیث، حدیث اخفاء کو حدیث جہر پر ترجیح ہوگی اور حدیث جہر میں تاویل ہوگی اور تعلیم پر محمول ہوگی تاکہ آیت وحدیث کے درمیان تطبیق ہو جائے۔

حدیث:۶۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

تَرَكَ النَّاسُ التَّأْمِیْنَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اِذَا قَالَ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ قَالَ اٰمِیْنَ حَتّٰی یَسْمَعَهَا اَهْلَ الصَّفِّ الْاَوَّلِ فَیَرْتَجِ بِهَا الْمَسْجِدَ

(ابن ماجہ:853)

لوگوں نے آمین کہنا چھوڑ دیا ہے۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب **غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ** پڑھتے اور آمین فرماتے یہاں تک کہ پہلی صف والے اس کو سن لیتے اور اس سے مسجد گونج پڑتی۔

اس حدیث میں چند امور قابل غور ہیں۔

۱۔ یہ حدیث ضعیف ہے لائق حجت نہیں کیونکہ اس میں ایک راوی بشر بن رافع ضعیف ہے۔ بخاری وترمذی ونسائی واحمد وابن معین وغیرہ نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

(شرح ہدایہ، تقریب التھذیب)

۲۔ اس میں صحابۂ کرام کا آمین جہر سے کہنا مذکور نہیں۔

۳۔ صرف پہلی صف والوں کا سننا اور پھر مسجد کا گونجنا متضاد بات ہے کیونکہ جس آواز

سے مسجد گونجے گی اس کو صرف پہلی صف والے ہی نہیں دوسری صفوں والے بھی سنیں گے۔

۴۔ مسجد کا گونجنا خلاف واقع ہے کیونکہ اس وقت مسجد کھجور کے پتوں کی بنی ہوئی تھی اس میں آواز کا گونجنا کیا معنی؟

۵۔ بر تقدیر تسلیم یہ حدیث حنفیہ و مالکیہ کی موافقت اور تائید کرتی ہے کہ صحابئ رسول حضرت ابو ہریرہ فرما رہے ہیں۔ ترك الناس التامين لوگوں نے بلند آواز سے آمین کہنا چھوڑ دیا ہے۔ اس وقت کے وہ لوگ جنہوں نے آمین بالجہر کو چھوڑ دیا تھا وہ صحابہ اور تابعین تھے یا کوئی اور لوگ تھے؟ تو ان کا آمین بالجہر کو چھوڑ دینا صریح دلیل ہے اس بات کی کہ حدیث آمین بالجہر کی منسوخ ہے اور اس کا جہر صرف تعلیم کے لیے تھا اور جب تک ان کے لیے یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ ان کے علم میں تھا کہ اب خفیہ طور پر آمین کہنا سنت ہے، ان پر سنت کے ترک کرنے اور اس کی مخالفت کرنے اور اپنی رائے کے مطابق عمل کرنے کا الزام عائد ہوگا۔

رہا حضرت ابو ہریرہ کا قول کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلند آواز سے آمین فرماتے تھے تو ہو سکتا ہے کہ ان کو حدیث اخفاء آمین نہ پہنچی ہو یا جہر سے آمین کہنے کو اولیٰ سمجھتے ہوں بہر صورت یہ جملہ ترك الناس التامين حنفیہ کی تائید میں حجت کامل ہے۔

رفع یدین

حدیث: ۶۲۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اِذَا كَبَّرَ لِافْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتّٰى يَكُوْنَ اِبْهَا مَاهُ قَرِيْبًا مِنْ شَحْمَةِ اُذُنَيْهِ ثُمَّ لَا يَعُوْدُ

(طحاوی شریف، جلد 1، صفحہ 132، کنز العمال: 22046، ابن ابی شیبہ: 2440)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز شروع کرنے کے لیے تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے کانوں کے قریب تک اٹھاتے پھر پوری نماز میں ہاتھ نہ اٹھاتے۔

حدیث: ۶۳۔ انہی سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا افْتَتَحَ

بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب نماز کو

الصَّلٰوۃَ رَفَعَ یَدَیۡہِ اِلٰی قَرِیۡبٍ مِنۡ اُذُنَیۡہِ ثُمَّ لَا یَعُوۡدُ (ابوداؤد شریف: 749)

شروع فرماتے تو اپنے ہاتھوں کو کانوں کے قریب تک اٹھاتے پھر نہ اٹھاتے۔

حدیث: ٦٤۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اَلَا اُصَلِّیۡ بِکُمۡ صَلٰوۃَ رَسُوۡلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم؟ فَصَلّٰی فَلَمۡ یَرۡفَعۡ یَدَیۡہِ اِلَّا مَرَّۃً وَّاحِدَۃً (ابوداؤد: 751، 748، ترمذی: 257، بیہقی: 2531)

کیا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نماز جیسی نماز نہ پڑھاؤں؟ پس آپ نے نماز پڑھائی تو اپنے ہاتھ نہ اٹھائے مگر تکبیر اولیٰ کے وقت۔

حدیث: ٦٥۔ انہی سے روایت فرماتے ہیں کہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

اِنَّہٗ کَانَ یَرۡفَعُ یَدَیۡہِ فِی اَوَّلِ تَکۡبِیۡرَۃٍ ثُمَّ لَا یَعُوۡدُ (طحاوی شریف، جلد 1، صفحہ 132)

بلاشبہ آپ اپنے دونوں ہاتوں کو پہلی تکبیر کے وقت اٹھاتے تھے پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

حدیث: ٦٦۔ انہی سے روایت ہے فرماتے ہیں:

صَلَّیۡتُ خَلۡفَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وَ اَبِیۡ بَکۡرٍ وَّ عُمَرَ فَلَمۡ یَرۡفَعُوۡا اَیۡدِیَہُمۡ اِلَّا عِنۡدَ افۡتِتَاحِ الصَّلٰوۃِ (بیہقی شریف: 2534، مجمع الزوائد: 2581)

کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) کے پیچھے نماز پڑھی پس انہوں نے سوائے نماز کے شروع کے ہاتھ نہیں اٹھائے۔

حدیث: ٦٧۔ حضرت اسود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رَأَیۡتُ عُمَرَ بۡنَ الۡخَطَّابِ یَرۡفَعُ یَدَیۡہِ فِیۡ اَوَّلِ تَکۡبِیۡرَۃٍ ثُمَّ لَا یَعُوۡدُ

(کنز العمال: 22056، طحاوی شریف، جلد 1، صفحہ 133، ابن ابی شیبہ: 2454)

میں نے حضرت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کو دیکھا کہ آپ نے پہلی تکبیر کے وقت اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے پھر نہیں اٹھائے۔

حدیث: ٦٨۔ حضرت عاصم بن کلیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں:

اِنَّ عَلِیًّا کَانَ یَرۡفَعُ یَدَیۡہِ فِی التَّکۡبِیۡرَۃِ الۡاُوۡلٰی مِنَ الصَّلٰوۃِ ثُمَّ لَا یَرۡفَعُ (بیہقی شریف:

کہ بے شک حضرت علی (رضی اللہ عنہ) نماز میں پہلی تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے

2534، کنز العمال: 22059، ابن ابی شیبہ: 2442)　پھر نہیں اٹھاتے تھے۔

حدیث: ۶۹۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ:

اِنَّ الْعَشَرَةَ الْمُبَشَّرَةَ مَا كَانُوْا يَرْفَعُوْنَ اَيْدِيَهُمْ اِلَّا فِي افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ

بے شک عشرہ مبشرہ رفع یدین نہیں کرتے تھے مگر نماز کے شروع کرتے وقت۔

(النہایۃ والکفایہ)

حدیث: ۷۰۔ حضرت ابوبکر بن عیاش بن حصین بن مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ

صَلَّيْتُ خَلْفَ ابْنِ عُمَرَ فَلَمْ يَكُنْ يَرْفَعُ يَدَيْهِ اِلَّا فِي التَّكْبِيْرَةِ الْاُوْلٰى مِنَ الصَّلٰوةِ (طحاوی شریف، جلد 1، صفحہ 132، ابن ابی شیبہ: 2452)

میں نے حضرت ابن عمر (رضی اللہ عنہ) کے پیچھے نماز پڑھی۔ پس آپ نے اپنے ہاتھ نماز میں نہیں اٹھائے مگر پہلی تکبیر کے وقت۔

حدیث: ۷۱۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَا يُرْفَعُ الْاَيْدِيْ اِلَّا فِي سَبْعِ مَوَاطِنَ عِنْدَ افْتِتَاحِ الصَّلٰوةِ وَ قُنُوْتِ الْوِتْرِ وَتَكْبِيْرِ الْعِيْدَيْنِ وَعِنْدَ اسْتِسْلَامِ الْحَجَرِ وَعِنْدَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ وَ عِنْدَ الْمَوْقِفَيْنِ وَ عِنْدَ رَمْيِ الْجِمَارِ (کفایہ شرح ہدایہ، جلد 1، صفحہ 226، بیہقی شریف: 9210، طبرانی: 12072، کنز العمال: 3369، مجمع الزوائد: 2593)

سات موقعوں کے سوا کسی جگہ ہاتھ نہ اٹھائے جائیں (۱) نماز شروع کرتے وقت (۲) نماز وتر میں قنوت پڑھنے کے وقت (۳) عیدین کی تکبیروں کے وقت (۴) حجر اسود کے بوسے کے وقت (۵) صفا مروہ پر (۶) عرفات و مزدلفہ میں اور (۷) جمروں میں کنکریاں مارتے وقت۔

ان دس حدیثوں سے ثابت ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم نماز میں صرف تکبیر اولی کے وقت رفع یدین کرتے تھے اس کے علاوہ رکوع میں جاتے اور اٹھتے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

سوال: بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کرتے تھے۔

جواب: صرف رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت ہی نہیں بلکہ سجدے میں جاتے اور سجدے سے اٹھتے وقت بھی بلکہ ہر تکبیر کے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے دیکھو نسائی، ابو داؤد، ابن ماجہ، تو پھر چاہیے کہ ان احادیث پر بھی عمل کیا جائے؟ اور اصل بات یہ ہے کہ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یَنْسَخُ حَدِیْثَہٗ بَعْضُہٗ بَعْضًا کَمَا یَنْسَخُ الْقُرْاٰنُ بَعْضُہٗ بَعْضًا (مسلم شریف:82-244) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی بعض حدیثوں کو بعض حدیثوں سے منسوخ فرما دیا کرتے تھے جیسا کہ قرآن اپنی بعض آیات کو بعض آیات سے منسوخ کرتا ہے کے اصول کے مطابق یہ حدیثیں منسوخ ہیں۔ چنانچہ علامہ امام بدرالدین عینی شارح صحیح بخاری فرماتے ہیں:

اِنَّہٗ کَانَ فِیْ بَدْءِ الْاِسْلَامِ ثُمَّ نُسِخَ (عمدۃ القاری شرح بخاری)

کہ رفع یدین کرنا شروع اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا۔

دلیل نسخ یہ احادیث ہیں۔

حدیث ۷۲۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَ نَحْنُ رَافِعُوْا اَیْدِیْنَا فِی الصَّلٰوۃِ فَقَالَ مَا بَالُھُمْ رَافِعِیْنَ اَیْدِیَھُمْ فِی الصَّلٰوۃِ کَاَنَّھَا اَذْنَابُ الْخَیْلِ الشُّمُسِ اُسْکُنُوْا فِی الصَّلٰوۃِ (نسائی شریف:1185، ابوداؤد شریف:1000، مسلم شریف:968، کنز العمال:19883)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم پر نکلے اور ہم اس وقت نماز میں رفع یدین کر رہے تھے تو آپ نے دیکھ کر فرمایا، ان لوگوں کا کیا حال ہے جو نماز میں رفع یدین کرتے ہیں جیسا کہ سرکش گھوڑے اپنی دُمیں ہلاتے ہیں۔ نماز میں سکون اختیار کرو۔ یعنی رفع یدین نہ کرو۔

حدیث: ۷۳۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو مسجد حرام میں نماز پڑھتے دیکھا۔

وَ یَرْفَعُ یَدَیْہِ عِنْدَ الرُّکُوْعِ وَ عِنْدَ رَفْعِ الرَّاْسِ مِنْہُ فَقَالَ لَا تَفْعَلْ اِنَّہٗ شَیْءٌ قَدْ

اور وہ رکوع میں جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتا تھا تو آپ نے اس

تَرَکَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا فَعَلَہٗ (نہایہ)

کو منع فرمایا اور کہا کہ اس فعل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پہلے کیا تھا بعد میں چھوڑ دیا۔

اور خود حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جن کی روایت پیش کی گئی ہے۔ رفع یدین نہیں کرتے تھے چنانچہ

وَقَدْ صَحَّ عَنْ مُجَاهِدٍ اَنَّهٗ قَالَ صَحِبْتُ ابْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَشَرَ سِنِيْنَ فَلَمْ اَرَاهُ رَفَعَ يَدَيْهِ اِلَّا فِيْ تَكْبِيْرَةِ الْاِفْتِتَاحِ فَتَرْكُ الْعَمَلِ بِهٖ دَلِيْلٌ عَلٰى اِنْتِسَاخِهٖ

(نورالانوار صفحہ 161)

حضرت مجاہد سے صحیح سند کے ساتھ مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا میں دس سال حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی صحبت میں رہا ہوں۔ میں نے ان کو سوائے تکبیر تحریمہ کے رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔ پس ان کا رفع یدین کو ترک کرنا رفع یدین کے منسوخ ہونے پر دلیل ہے۔

امام طحاوی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت طاؤس نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت مجاہد نے اس کے خلاف روایت کیا ہے جیسا کہ اوپر گزرا۔ فقد یجوز ان یکون ابن عمر فعل ما راہ طاؤس یفعلہ قبل ان تقوم عندہ الحجۃ بنسخہ ثم قامت عندہ الحجۃ بنسخہ فترکہ و فعل ما ذکرہ عند مجاھد۔ تو بے شک یہ ممکن اور جائز ہے کہ طاؤس نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دلیل نسخ قائم ہونے سے پہلے رفع یدین کرتے دیکھا ہو، پھر جب ان کے نزدیک دلیل نسخ قائم ہوگئی تو انہوں نے رفع یدین ترک کر دیا، اور پھر ایسا کیا جیسا کہ حضرت مجاہد نے ذکر کیا ہے، نیز امام طحاوی فرماتے ہیں کہ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی رفع یدین نہیں کرتے تھے (جیسا کہ حدیث نمبر ۱۴ میں ہے) افتری عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ خفی علیہ ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کان یرفع یدیہ فی الرکوع و السجود و علم ذالک من دونہ و من ھو معہ یراہ یفعل غیر ما

رای رسول اللہ ﷺ یفعل ثم لا ینکر ذالك علیه هذا عندنا محال و فعل عمر رضی اللہ عنه هذا و ترك اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم ایاه علی ذالك دلیل صحیح ان ذالك هو الحق الذی لا ینبغی لا بعد خلافه (طحاوی شریف)

تو کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رکوع وسجود میں رفع یدین کرنا پوشیدہ رہا ہو اور ہرگز ہرگز ان کو اس کا علم نہ ہوا ہو، علاوہ ازیں پھر کیا یہ ممکن ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف فعل کرتے رہیں اور ان کے ساتھ صحابہ میں سے کوئی بھی اس فعل پر اعتراض تک نہ کرے، ہمارے نزدیک یہ ہرگز ممکن نہیں۔ پس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا رفع یدین نہ کرنا اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس پر اعتراض تک نہ کرنا اس امر کی واضح دلیل ہے کہ ان کا فعل حق وصواب تھا، جس سے اختلاف کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

حضرت ابوبکر بن عیاش فرماتے ہیں: ما رایت فقیها قط یفعله یرفع یدیه فی غیر التکبیرة الاولی (طحاوی شریف) کہ میں نے کسی فقیہ کو ہرگز نہیں دیکھا کہ وہ نماز میں سوائے تکبیر اولیٰ کے رفع یدین کرتا ہو۔

الحمدللہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہو گیا کہ نماز میں بجز تکبیر اولیٰ کے رفع یدین نہیں کرنا چاہیے اور رکوع سے پہلے اور بعد رفع یدین کرنے والی حدیثیں منسوخ ہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبه سیدنا محمد و آله واصحابه اجمعین و بارك وسلم

بندہ

محمد شفیع الخطیب الاوکاڑوی غفرلہ

کراچی